بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اگر بہ نظر غور و تعمق دیکھا جائے تو شاید یہ بات غلطی سے دور ہوگی کہ زمانۂ موجودہ میں تذکرہ لکھنا ایک قسم کی تحصیل حاصل ہے اس لئے کہ لکھنے والوں نے اس فن شریف کو معراج کمال پر پہونچا دیا ہے اتنے اتنے اور ایسے ایسے تذکرے لکھے گئے کہ اسکے بعد تذکرہ لکھنا ایک حد تک منھ چڑانا ہے۔ مگر غور سے دیکھنے پر ایک بات دل میں تیر بن کر کھٹکتی ہے۔ وہ یہ کہ تذکروں میں جوہر تنقید کی کمی پہلے بھی تھی اور اب بھی ہے۔ یہ کمی ایک ایسی سخت کمی ہے جس کی تلافی غیر ممکن اور دشوار ہے بجز اسکے کہ کچھ نہ کچھ ایسے ایسے تذکرے لکھے جائیں جن میں نقد و بحث ہو —

دوسرے یہ کہ اتفاق سے جسقدر تذکرے دیکھے گئے اُن میں زیادہ تر حصہ مردوں کے کلام کا ہوتا ہے بلکہ زیادہ کیا تمام

تذکروں کی بنا اسی پر ہے - مگر حقیقتاً یہ ایک قسم کی ناانصافی ہے - کوئی سبب نہیں معلوم ہوتا کہ اس دور ترقی میں جب ہر شے برابر ترقی پذیر ہے اس خیال کو صرف دماغ تک محدود رکھا جائے یقینی یہ ایک صریحی ظلم ہوگا - کوئی وجہ نہیں ہے کہ یہ صنف نازک جس کے جذبات مردوں سے زیادہ نازک اور دلکش - جنکی زبان صاف شستہ بے تصنع اور محفوظ ہے - جن کے اکثر خیالات حیا کے عطروں سے مہک رہے ہیں - جن کے پہلوؤں میں مردوں سے زیادہ دردمند اور جلد سے جلد متاثر ہونے والا دل ہے - جنکی صورت - خو، بو، آواز، چال ڈھال، رفتار - سب میں فطرتی اور خلقی دلکشی ہے - اُن کے کلام میں کیوں نہ دلکشی ہوگی - ہوگی اور ضرور ہوگی - کیونکہ دلکشیِ کلام کے لیے چند چیزوں کی ضرورت ہے جو مستورات میں بصورت احسن موجود ہیں -

(۱) زبان صاف شستہ ہو، بامحاورہ ہو، تصنع اور حشو و زوائد سے دور ہو -

(۲) مقفّٰی اور مسجّع نہو - تاکہ آورد نہ معلوم ہو اور آمد کا لطف

اُس میں موجود ہو۔

(۳) فضول بلند خیالیوں اور کوہ کندن کاہ برآوردن سے پاک ہو۔ میرا یہ خیال ہے کہ ہر وہ شاعر جو اسی فکر میں رہیگا کہ میں ایسی نئی بات کہوں جو اب تک کسی نے نہ کہی ہو وہ یقینی مہمل گو ہوگا اور اُس کے اکثر مضامین قابل مضحکہ ہوں گے اول تو یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی آدمی ایسی بات کہے کہ جو کسی نے نہ کہی ہو۔ کیونکہ انسان میں فطرتاً قوت ابداع نہیں رکھی گئی وہ تراش خراش کر سکتا ہے مگر یہ ممکن نہیں کہ کوئی نئی بات پیدا کر سکے۔

(۴) خیالات صاف ہوں۔ اُلجھے ہوئے الفاظ بھی نہوں اور پیچیدہ بندشیں بھی نہوں۔

(۵) جذبات درد و اثر سے لبریز ہوں۔

(۶) عامیانہ اور سوقیانہ خیالات نہوں۔

اور ایسی ہی ایسی چند باتیں شاعری کی خوبیوں کی جان کہی جا سکتی ہیں۔ یہ سب باتیں طبقۂ نسواں میں اعلیٰ درجہ پر موجود ہیں۔

اُن کی زبان میں تصنع نہیں ضلع جگت تشبیہ اور استعاروں وغیرہ

کی بھرمار سے زیادہ تر اُن کا کلام پاک و صاف ہے مقفیٰ اور مسجع نہیں
ہے وہ یہ کوشش نہیں کرتیں کہ آن ہوئی بات کہی جائے اُن کے
خیالات صاف ہیں۔ وہ رقیق القلب اور نازک دل ہوتی ہیں اس لیے
کوئی سبب نہیں ہے کہ اُن کے کلام میں درد و اثر نہ ہو۔ عامیانہ اور
سوقیانہ بندشیں بھی اُن کو نہ پسند ہو سکتی ہیں اور نہ میسر آسکتی ہیں ۔
اس لیے کہ فطرت نے حیا کو اُن کے خیال کی بیراہ روی کا محافظ اور
اُن کی یاوہ گوئی کا زبردست نگہبان بنایا ہے۔ وہ جعفر زٹلی اور رنگین
وغیرہ کی یاوہ گوئی سے غالباً ہمیشہ کے لئے محفوظ ہیں ۔

بہر حال یہ سب قدرتی مواد جمع ہے کوئی سبب نہیں کہ اِن کے
کلام کو جمع نہ کیا جائے۔ ہاں میرے لئے سب سے زیادہ مایوس کن
یہ بات ہے کہ نہ تو سوائے دو تین چھوٹے چھوٹے تذکروں کے کوئی
تذکرہ ملتا ہے۔ اور نہ یہی ممکن ہے کہ خط و کتابت کرکے کلام حاصل
کیا جائے۔ اُن سے خط و کتابت کرنا جانبین کو اُلجھنوں اور مصیبتوں
میں ڈال دینا ہے۔ اِسی طرح اُن کے صحیح صحیح حالات ملنا دشوار تر
ہیں۔ چونکہ نہ وہ خود بتا سکتی ہیں نہ کوئی اور۔ نہ دل کے راز معلوم

کرنے کا ابھی تک کوئی ایسا آلہ دریافت ہوا جو گھر بیٹھے ہر شاعرہ کا حال ہم پر آئینہ کردے۔ اور اگر فی المثل کوئی راز معلوم ہو بھی جائے تو افشاے راز نہایت ہی سفیہانہ حرکت اور بیہودگی ہے۔ لہذا میں اول تو صرف نام وغیرہ پر اکتفا کروں گا اور جہاں کہیں ضرورت ہوگی تو معمولی معمولی حالات لکھدوں گا۔ البتہ جہاں تک ممکن ہوگا اُن کے کلام کے انتخاب کی بہترین کوشش کروں گا۔

چونکہ فن شعر گوئی ایک ہی فن اور عطیۂ قدرت ہے اسواسطے اس میں ہر قوم اور ہر فرقہ کے آدمی شامل ہیں اور ہو سکتے ہیں۔ ہم اس سے مجبور ہیں کہ جس صنف میں ایک عالی خاندان شریف مستورہ عفت نشین یا ایک نوجوان دوشیزہ مہ جبین دالادودمان کا ذکر ہو۔ وہیں ایک حسین بازاری بھی ہو مگر کیا کیا جائے۔

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی
کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

پھر بھی اتنا خیال رکھا گیا ہے کہ ہر ایک طوائف یا اسی قسم کی شاعرہ کے نام کے ساتھ ہی (ط) کا نشان دیدیا گیا ہے۔

حالات کم ہوں گے اور مجھے کم ہی دستیاب بھی ہوئے۔ البتہ ضرورت اور محل کے موافق اسمیں لطائف شامل کرتا جاؤں گا تاکہ ناظرین کی دلچسپی کا ایک خاص ذریعہ نکل آئے۔

غزلوں، نظموں، قصیدوں وغیرہ غرضکہ ہر قابل انتخاب چیز کا انتخاب ہوگا۔ صرف ایک شئے پر انحصار نہوگا۔

چونکہ تذکرہ کم۔ حالات کی فراہمی اور بہم رسانی میں دشواریاں تحقیق میں مصیبتیں ہیں لہذا ممکن ہے کہ کہیں کوئی غلطی ہو جسکے لئے میں پہلے ہی معافی مانگتا ہوں۔

یہ تذکرہ ردیف وار ہوگا تاکہ ترتیب بیکار نہ ہو۔ اور کسی تخلص کو ڈھونڈھنے میں تمام کتاب کی ورق گردانی کی زحمت بیجا گوارا نہ کرنی پڑے۔

ہر جگہ یہ ترتیب ملحوظ رہتی کہ پہلے اُن عفت مآب خواتین کا کلام درج ہوتا جو اعلیٰ طبقوں اور والا خاندانوں سے متعلق ہیں اسکے بعد دوسرے فرقہ کو درج کیا جاتا۔ ترجیح بلا مرجح سمجھ کر اس خیال کو چھوڑ دیا جن کا کلام اُردو میں دستیاب نہوگا اُن کا جس زبان میں

کلام دستیاب ہوا ہے وہی لکھدیا جائے گا۔ اور جس صنف میں کلام ملے گا اُسی کو داخل تذکرہ کیا جائے گا۔ مگر جہانتک ممکن ہوگا اُردو کی غزل کو نبظر ترجیح دیکھا جائے۔

(مؤلف)

الف

اچپل۔ ہینگن جان طوائف کا تخلص تھا۔ جو اپنے زمانہ کی ہم پیشہ عورتوں میں نہایت ہی مشہور تھی۔ موسیقی میں اسکو کامل مہارت تھی یہاں تک کہ جب شب کو تعلیم لیتی تھی تو گویا راستہ چلنے والوں کو عشق و عاشقی کی تعلیم دیتی تھی۔ برآمدہ کے نیچے ایک ہجوم عام ہوتا تھا۔ اکثر عاشقان رنگین مزاج اس کے ہاتھ سے تباہی کی حدوں میں جا پہونچے تھے ہر قسم کے لوگوں کا مجمع رہتا تھا۔ صورت پرست شاعر بھی جاتے تھے اپنا اپنا کلام اُس کو دیتے اور موسیقی کے ساتھ سُنتے تھے انھیں کے فیض صحبت نے بمصداق۔ کہ رنگ ہمنشیں درمن اثر کرد۔ شاعر بھی بنا دیا تھا۔ وگرنہ من ہمان خاکم

کہ ستم - کا مضمون تھا - بارہ سو ساٹھ کے بعد انتقال ہوا -
مصنف تذکرۂ چمن انداز - و تذکرۃ الشاعرات نے صرف
ایک شعر نقل کیا ہے -

ہے عیش اُسکے جی کو اجی غم بہت ہے یاں
شادی وہاں رچائی ہے ماتم بہت ہے یاں

مگر میری معلومات کا ذریعہ اس سے کچھ زیادہ وسیع ہے مجھ سے جن
بزرگ نے یہ حالات بیان کیے وہ آج ہزاروں من خاک کے نیچے
سو رہے ہیں - وہ مدتوں خود اُس کے مکان پر گئے اُس کا گانا سُنا -
اُس کا کلام سُنا - اکثر یاد کیا کرتے تھے - کبھی ہنس ہنس کر یہ شعر بھی پڑھتے
تھے اور آپ ہی آپ مزے لیتے تھے -

آپ سے بات بھی کرے کوئی — یہ بھلا کیا مجال ہے صاحب
جان کوئی خوشی سے دیتا ہے — کیا نرالا سوال ہے صاحب
خاک سے ٹک اُٹھائیے اُسکو — دل مرا پائمال ہے صاحب

احمدی - سونی پت جو نواح دہلی میں مشہور و معروف مردم خیز
قصبہ ہے اُس میں یہ شاعرۂ نادرہ پیدا ہوئی - اولاً تعلیم و تعلم کی طرف

طبیعت راغب رہی۔ اس کے بعد شعر و شاعری کی طرف طبیعت
کھنچ آئی۔ ایک شریف گھرانے سے تھی اور ایک تعلیم یافتہ امیرزادہ
کے ساتھ شادی ہوئی تھی۔ پورا دیوان مرتب کر لیا تھا مگر چونکہ ان کے
شوہر کو شاعری کی طرف میلان نہ تھا۔ نہ اُس زمانہ میں شریف مستورات
کی شاعری کچھ استحسانی نظر سے دیکھی جاتی تھی اس واسطے سنا گیا
ہے کہ ان کا دیوان غائب کر دیا گیا۔ اور اسی غم میں احمدی بیگم
بیمار ہوئیں غم کی فراوانی سے نوبت یہاں تک پہونچی کہ ہمیشہ تپ
رہنے لگی۔ ہوتے ہوتے انجام وہی ہوا جو ہونا چاہیئے تھا۔ دِق
ہوئی اور انتقال کر گئیں۔ دو شعر موجود ہیں جو لکھے دیتا ہوں۔

محبت نے انساں کو انساں کیا
اُسے اس خطا پر پشیماں کیا

گلوں کی طرح چاک داماں کیا
چمن میں بھی مجنون نے احمدی

اختر نواب اختر محل کا تخلّص ہے۔ جو خاندان تیموریہ سے
تعلق رکھتی تھیں۔ نہایت ہی ذکی ذہین طباع نیک مزاج تھیں۔
اکثر نعت و منقبت وغیرہ میں شاغل رہتی تھیں۔ اسی صنف میں
کلام ملتا ہے مگر شاید تفنن طبع کے خیال سے کبھی کبھی غزل بھی

کہتی تھیں ۱۲۹۲ھ تک بقید حیات تھیں اُسوقت تذکرۂ مرآت خیالی ہیں یہ کلام درج کیا گیا ہے نفظ لفظ سے مشق کلام کا پتہ چلتا ہے کلام ملاحظہ ہو۔ قدسی کی اُس غزل کو جس کا ایک ایک مصرع مشہور خاص و عام ہے تضمین کرکے داد خوش گوئی دی ہے۔

تجھ پہ قربان ہوئے آل ہاشمی و مطلبی — کہ ہے مشہور دو عالم تری عالی نسبی
دیکھ رتبہ کو ترے شوکت افلاک دبی — مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جان باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

وہ ترا نور ہے ماہ فلک و مہر کرم — تیرے جلوہ سے منور ہوئے دونوں عالم
تاب یوسف کو کہاں ہے کہ ترے دیکھے قدم — من بیدل بجمال تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمال ست بدیں بو العجبی

واہ کیا درجہ ہے کیا شان ہے اور کیا رتبہ — خالق ارض و سما خود ہے ترا مدح سرا
انبیا کہتے ہیں سب صل علیٰ صل علیٰ — نسبتے نیست بذاتِ تو بنی آدم را
برتر از آدم و عالم تو چہ عالی نسبی

تو ہے نیسان کرم اور سحابِ اکرام — بھر دیا موتیوں سے دامن امیدِ انام
بار آور ترے باعث سے ہے نخلِ سلام — نخل بستانِ مدینہ ز تو سرسبز مدام

زاں شدہ شہرۂ آفاق بہ شیریں رطبی

سب سے پہلے کیا پیدا ترا اللہ نے نور   پردۂ ذات میں اُس نور کو رکھا مستور
اور اس نور کا اظہار ہوا جب منظور   ذاتِ پاک تو دریں ملکِ عرب کردہ ظہور

زاں سبب آمدہ قرآں بہ زبانِ عربی

ہے ترے نور سے پُر نور زمیں دشت بدشت   گلشن چرخ ہے تیرے ہی پئے گلگشت
تیرے ہی واسطے ہیں خاص یہ جنات بہشت   شب معراج عروج تو ز افلاک گذشت

بہ مقامے کہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبی

قدسیاں آنکھیں بچھاتے ہیں ترے زیر قدم   خاک پا تیری ہی ہے سرمۂ چشم عالم
بخشدے جو مری تقصیر اے شاہ امم   نسبت خود بہ سگت کردم و بس منفعلم

زانکہ نسبت بہ سگِ کوے تو شد بے ادبی

سختی حشر سے گھبرائیگی جب مخلوقات   اور نہ بن آئیگی اے ابر کرم کوئی بھی بات
انبیا سب تجھے کہوینگے کہ ہے ابر نجات   ما ہمہ تشنہ لبانیم توئی آب حیات

لطف فرما کہ ز حد می گذرد تشنہ لبی

ہوگئی لہو و لعب ہی میں مری عمر بسر   یاد خالق میں نہ مصروف ہوئی میں ہم بھر
گھستی ہوں ناصیۂ عجز کو تیرے در پہ   چشم رحمت بکشا سوی من انداز نظر

اے قریشی لقبی ہاشمی و مطلبی

درد عصیاں کے سبب سے ہی مری جان چلی
اور بچنے کی نہیں سوجھتی تدبیر کوئی

عرض اختر کی بھی قدسی کی طرح سے ہی یہ
سیدی انت حبیبی و طبیب قلبی

آمدہ سوئے تو قدسی پئے درماں طلبی

غزل کے میدان میں بھی ذہانت اور خداداد طبیعت کی روانی کے جوہر دکھائے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

لکھ کر جو میرا نام زمیں پر مٹا دیا
اُن کا تھا کھیل خاک میں ہم کو ملا دیا

اک آہ شعلہ بار سے دل کو جلا دیا
لو آج ہم نے اس کا بھی جھگڑا مٹا دیا

آستاں پر ترے پیشانی کو گھستے گھستے
سر ہی غائب ہوا جس میں کہ ترا سودا تھا

خط لیکے نامہ بر سے جو ٹکڑے اُڑا دیے
غیروں نے آج اُنکے تئیں کچھ پڑھا دیا

تقصیر اُن کی نہ قصورِ عدو سے کچھ
آخر ہمارے دل ہی نے ہم کو جلا دیا

ایک زمانہ میں ایک ماہوار رسالہ حدیث قدسی نکلا کرتا تھا اُسمیں اختر کا اکثر کلام ملتا ہے۔

آرایش (ط) دہلی کی ایک شاہد بازاری تھی مگر پردہ نشینوں کو بھی مات کر دیا کہ مصنف تذکرہ چمن انداز کو اُس کا حال اُس کا نام اُس کے زمانہ میں بھی معلوم نہو سکا۔ بالفاظ دیگر صرف یہی لکھکر سبکدوش ہو گئے کہ پہلے بازاری تھیں اب خانہ نشین ہیں۔ کبھی زیب بازار تھیں اب آرائش خانہ ہیں۔ صرف ایک شعر مل سکا ہے اُسی کو بطرق یادگار یا خانہ پُری درج کرتا ہوں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ایک شعر کے لکھنے سے نہ تسلی ہوئی۔ اور نہ شعر لکھنے کے قابل تھا۔ مگر پھر بھی سچی اور دِل کو لگنے والی بات کہی ہے مجبوراً سُنیئے —

جوانی میں بھلی معلوم ہوتی تھی یہ آرایش
بُڑھاپے میں تو منھ دی مسّی کی ہے خاک زیبایش

اسیر۔ امیر بیگم نام تھا۔ شاہ فخر الدین صاحب قدس سرہٗ (جو دلی کے ایک مشہور و معروف بزرگ تھے) کی شاگرد تھیں۔ بیگمات چغتائیہ میں تھیں۔ حاضر جواب بذلہ سنج لطیفہ گو خوش مذاق شاعرہ تھیں —

کسی دن ایک شخص نے اِن کو یہ مصرع سُنایا ع

بیقراری قرار ہے اپنا

اس حاضر جواب شوخ مزاج نے فوراً اُس پر یہ مصرع لگایا۔ اور سُنایا۔ بد قسمتی سے اس وقت میں صرف وہی دو شعر پیش کر سکتا ہوں جو فی البدیہہ کہے گئے تھے۔

عشق دار و مدار ہے اپنا　　　بیقراری قرار ہے اپنا
خاک میں مل گئی ہوں جسپہ اسیر　　　اُسی دل میں غبار ہے اپنا

دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جو ہوا چلتی ہے اُس کے اثر سے کوئی محفوظ نہیں رہتا۔ پردہ نشین ہیں مگر یہ بھی صنعت مراعات النظیر کے جال میں الجھی ہوئی ہیں۔ دوسرا شعر صاف اسکی گواہی دیتا ہے

اشک دلی کی ایک عالی قدر سخن سنج شاہزادی کا تخلص تھا جو بارہ سو ترانوے ہجری میں زندہ تھیں زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا مصنف تذکرہ مرأت خیالی و چمن انداز نے دو شعر نقل کئے ہیں اگرچہ یہ شعر اس سے پہلے بھی میرے حافظہ میں تھے مگر وہ اور کسی شاعر کے تھے۔ آج سمجھا ہوں کہ یا میری یاد اور میرا خیال غلط تھا یا مصنف مذکور کی تحقیقات نے دھوکا دیا۔ بہر حال شعر ملاحظہ فرمائیے۔

نہ بوسہ دینا آتا ہے نہ دل بہلانا آتا ہے

تجھے تو اوبتِ کافر فقط ترسانا آتا ہے

کسی عاشق کا بیشک استخواں ہے میں نہ مانونگا

کہ شانہ تیرے رخ تک اتنا بے باکانہ آتا ہے

اُمراؤ - حسینی بیگم نام تھا - خاک پاک دہلی میں قیام تھا -
عہد بادشاہ بہادر شاہ ظفر میں بقید حیات تھیں بادشاہ کی غزل پہ
غزل کہی تھی جسکے دو شعر اہل تذکرہ کی مہربانی سے دستبرد زمانہ سے
ابھی تک محفوظ ہیں وہی میں بھی لکھے دیتا ہوں -

باغ عالم میں چھڑانا تھا اگر انپوں سے — پہلے ہی سبزۂ بیگانہ بنایا ہوتا

گرچہ منظور نہ تھی خانہ نشینی میری — تو مجھے ساکن ویرانہ بنایا ہوتا

خود ظفر مرحوم کی غزل بھی مسلسل ہے جو اکثر نظروں سے گزری ہوگی -
بالکل اُسی انداز میں اُنھوں نے بھی غزل کہی ہے - آخری شعر میں اگر
کی بجائے اگرچہ لکھا ہے - جو صحیح نہیں ہے - مگر عورتوں کی شاعری
اور اُن کی زبان کے لئے سب معاف ہے -

امراؤ (ط) لکھنؤ کی ایک شاہد بازاری تھی جسکا یہی تخلص ہے

اور یہی نام ہے اور یہ اس کا نمونۂ کلام ہے

گر مجھکو سرِ کاکلِ خمدار نہ ہوتا ۔ تو یوں میں بلاؤں میں گرفتار نہ ہوتا

امراؤ (ط) دہلی میں ایک طوائف امیرجان تھی جو نہایت مشہور تھی علی بخش والی کے نام سے معروف تھی - امراؤ اُسکی لڑکی کا نام تھا جو نہایت حسین و خوبصورت تھی - اہل تذکرہ نے اُس کا ایک شعر نقل بھی کیا ہے - جو واقعات اور حالات حاضرہ کا ایک عمدہ ثبوت اور شاہد عادل ہے -

آئے امراؤ دن ترے اچھے ٭ دن بدن مفلسی جو گھٹتی ہے

تعجب ہے کہ اس میں مفلسی کے گھٹنے کو اچھے دنوں سے تعبیر کیا گیا ہے - حالانکہ ضرورت تھی کہ امیرجان کی طرح امیر ہو جانا چاہیے تھا - اس پر مجھے ایک لطیفہ یاد آیا جو بیاختہ سپرد قلم کرتا ہوں -

لطیفہ ایک حسینہ دوشیزہ عصمت فروش لڑکی کو کسی دل چلے نے ایک روپیہ نذر کردیا - اُسنے اس نیاز عاشقی کی نذر و نیاز کو قبول تو ضرور کرلیا مگر اس خیال سے کہ اس کا چھپانا ذرا دشوار ہوگا

آکر اپنی ماں کو دیدیا۔ ماں ایک گرگِ باراں دیدہ۔ گھے عاشق گھے معشوق بودہ۔ تجربہ کار۔ سرد و گرم چشیدہ۔ بلند و پست کا لُطف اُٹھائے ہوئے تھی سمجھ گئی اور پوچھا کہ تیرے پاس یہ روپیہ کہاں سے آیا۔ لڑکی نے جھینپتی ہوئی شرمیلی سخن گو نگاہوں کو جھکائے ہوئے جواب دیا کہ ابھی ابھی جو بازار میں فلاں کام کے لئے گئی تھی تو یہ روپیہ راستہ میں پڑا ہوا ملا۔ ماں تو اُسکی ماں تھی۔ تبسم زیرلبی کے ساتھ کہنے لگی کہ واہ بیٹی ایک ہی روپیہ ملا۔ اس عمر میں تو کبھی کبھی ہمیں پانچ پانچ روپیہ ایک ساتھ پڑے ہوئے ملتے تھے۔ ایسے ہی میں کہتا ہوں کہ عالم شباب میں اگر عصمت فروش کی مفلسی گھٹی تو کیا گھٹی اس کو تو مالدار ہوجانا چاہیئے تھا۔

امیر (ط) اسی مجموعۂ ناز و خوبی جسکا ابھی ابھی ذکر ہوا۔ (یعنی امراؤ جان) کی ماں کا نام ہے جو علی بخش والی کے نام سے مشہور ڈیرہ دار تھی ایک شعر درج تذکرہ ہے جو میں بھی لکھتا ہوں۔ جذبات نسوانی کا صحیح فوٹو اور صاف نقشہ ہے۔

غصہ سے چہرہ میرا گلِ نار ہوگیا ۔۔۔ بس بار مجھ پہ طعنۂ اغیار ہوگیا

مصنف تذکرہ چمن انداز کو ان کے دوست میر عباس تاجر کتب دہلی نے سنایا تھا اور مجھے اس تذکرہ سے ملا۔

آمیر (ط) لکھنؤ کی ایک مجموعۂ ناز و انداز طوائف تھی۔ جو بارہ سو ستر اور اسی کے درمیان زندہ تھی نہایت ذہین اور طبلع تھی اشعار میں انتہائی سوز و گداز ہے۔ اگر وہ اپنے دعوائے تصنیف میں سچی تھی تو یقینی بہترین کہنے والیوں میں اسکا شمار کیا جا سکتا ہے جو مطلع لکھا جاتا ہے اسکی آمد اسکے جذبات کی تعریف محال ہے۔

جدھر کے دیکھنے سے جان نکل جاتی ہے — اسی طرف کو نظر بار بار جاتی ہے
یہ بغض تھا کہ نہ چھوڑا اٹھا کے کوچے میں — صبا لئے ہوا مشت غبار جاتی ہے
یہ محو دید رخ گل ہے بلبل شیدا — نہیں خبر کہ چمن سے بہار جاتی ہے

مولوی عبد الغفور صاحب نساخ مصنف تذکرہ سخن شعرا بھی اس سے ایک مرتبہ ملے تھے تذکرہ میں اس ملاقات کا ذکر کیا ہے۔

بائے تازی

بستی (ط) اکبر آباد یعنی آگرہ کی رہنے والی تھی بارہ سو ترانوے ۱۲۹۳

ہیں زندہ تھی ایک شعر ملاہے خوب بلکہ بہت خوب ہے ۔

بستی ضرور چاہیے اسباب ظاہری   دنیا کے لوگ دیکھنے والے ہوا کے ہیں

بسم اللہ تخلص تھا۔ نام بسم اللہ بیگم۔ دہلی کی رہنے والی تھیں، ان کی والدہ ولایت زا تھیں مگر یہ دلی میں پیدا ہوئیں ابتدائے سن شعور سے شعر گوئی کا شوق تھا اور منشی انعام اللہ خاں یقین شاگرد مرزا جان جاناں مظہر کی شاگرد تھیں منشی انعام اللہ خاں یقین حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں تھے اسلاف سرہند کے رہنے والے تھے مگر ان کا مولد و مسکن دہلی ہی تھا۔ احمد شاہ بادشاہ کے عہد میں ان پر زنا کی تہمت لگائی گئی اور اپنے والد ماجد کے ہاتھ سے بیگناہ قتل ہو کر شہید ہوئے۔ ان کی طبیعت میں حد درجہ کا سوز و گداز تھا۔ کلام میں درد و اثر اسقدر تھا کہ دیکھنے والا اب بھی آہ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ صاحب دیوان تھے۔ اب دیوان نایاب ہے لہذا ہم مناسب موقع سمجھ کر یقین مرحوم کا بھی تھوڑا سا کلام یہاں درج کرینگے۔ پہلے بسم اللہ کے کلام سے بسم اللہ کرتے ہیں ۔

تری الفت میں یہ حاصل ہوا ہے   کہ ہے مضطر یہ دل گاہے طپاں ہے

نہ کیجئے ناز حسن عارضی پہ   نہ سمجھو یہ بہار بے خزاں ہے

اب دو چار شعر انعام اللہ خاں یقین کے سنئے ۔

آتا کوئی جہاں میں کبھو بیوفا نہ تھا   ملتے ہی تیرے مجھسے یہ دل آشنا نہ تھا

جو کچھ کہیں ہیں تجھکو یقیں ہے سزا تری   بندہ جو تو بتوں کا ہوا کیا خدا نہ تھا

ولہ

سر سلطنت سے آستان یار بہتر تھا   ہمیں ظل ہما سے سایۂ دیوار بہتر تھا

ولہ

کعبہ بھی ہم گئے نہ گیا پر بتوں کا عشق   اس درد کی خدا کے بھی گھر میں دوا نہیں

بنّو (ط) دلّی کی ایک پردہ نشین عفت فروش تھی حسن ظاہری سے نہایت ہی آراستہ تھی۔ گلاب سنگھ کھتری متخلص بہ آشفتہ دہلوی جو خود بھی ایک حسین طرحدار جوان تھے اس پر فریفتہ تھے۔ مگر یہ ظالم قتالہ عالم کبھی اُدھر ملتفت نہ ہوتی تھی۔ اور بعض تذکرہ نویس کہتے ہیں کہ بنّو بھی آشفتہ پر شیفتہ تھی۔ کچھ دن وصل و وصال میں بسر ہوئے۔ مگر آخر کار فلک تفرقہ انداز رنگ لایا۔ عاشق و معشوق کو جدا کر دیا۔ آشفتہ کی طرف سے اگرچہ وصل اور صفائی کی سیکڑوں تدبیریں کی گئیں مگر

سب بے سود اور بیکار ثابت ہوئیں آخر کار ایک خنجر آبدار سے اپنا کام تمام کر لیا۔ اور خون کی سرخ چادر اوڑھ کر ہمیشہ کے لئے محو خواب عدم ہو گئے۔ مگر عشق صادق کا جذب کامل آخر کار رنگ لایا۔ اور بنّو بھی اس واقعہ سے آشفتہ رہنے لگی۔ ہر وقت کے رنج فراق اور سوز جگر نے رفتہ رفتہ حرارت قائم کر دی۔ تپ لازم ہو گئی اور رفتہ رفتہ دِق پر نوبت پہونچی اسی میں کام تمام ہو گیا۔ بارہ سو چھپن یا ستاون میں یہ سانحۂ جانگداز پیش آیا۔ شاہ عالم اکبر ثانی کے عہد میں بنّو اور آشفتہ دونوں زندہ تھے محققین کی رائے ہے کہ بنّو کو صرف آشفتہ کے فیض صحبت نے شاعر بنا دیا تھا۔ بہر حال بنّو کے چند شعر سن لیجئے۔ اور اندازہ کیجئے کہ عشق صادق کس طرح پتھر کو موم بنا دیتا ہے۔ یہ وہ شعر ہیں جو آشفتہ کے مرثیہ میں بطریق نوحہ خوانی بنو نے کہے تھے۔

چھوڑ کر مجھ کو کہاں او بت گمراہ چلا
تو چلا کیا کہ یہ دل بھی ترے ہمراہ چلا

چھٹ گیا غم سے مرا کشتۂ ابرو مرکر
آکے چھری سی گلے پر بھی مری آہ چلا

ولہ

موت آتی ہے نہ ہے زیست کا یارا مجھ کو
ہائے آشفتہ ترے مرنے نے مارا مجھ کو

موت پر بس نہیں چلتا ہے کروں کیا ورنہ
تو نہیں ہے تو نہیں زیست گوارا مجھ کو

اب کسے چین کہاں عیش کدھر بستر خواب
نہیں مخمل بھی کم از بستر خارا مجھ کو

ہے غضب وہ تو مرے اور جیوں میں بنّو
موت آجائے تو ہو عمر دوبارا مجھ کو

ولہٗ

نعش آشفتہ کو بیرحموں نے پھونکا آگ سے
آتش غم ہی جوانا مرگ کی کچھ کم نہ تھی

بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ جیسے ہی بنّو نے مقتول آشفتہ کی جان دہی کا حال سُنا دیوانوں کی طرح بے سر و پا ہوکر آشفتہ کا یہ شعر پڑھتی ہوئی آشفتہ کے دیکھنے کے لئے بھاگی۔

سمجھتا نہیں ہے کوئی بھی بیمار عشق کا یارب نہ ہو کسی کو یہ آزار عشق کا

مگر گھر کے لوگوں نے دیوانہ سمجھ کر جانے نہ دیا - پھر بھی بنّو پر یہ اثر پڑا کہ
اُسی دن ممنوعات و منہیات سے توبہ کرکے بیٹھ گئی اور چھ مہینہ کے
عرصے کے بعد ہمیشہ کے لئے آشفتہ کی روح کو وصال دائمی سے
مسرور کر دیا -

بہو - معروف بہ بہو بیگم صاحبہ مرحومہ مغفورہ محل خاص
نواب یوسف علیخاں صاحب بہادر مرحوم و مغفور سابق والی رامپور
متخلص بہ ناظم نہایت خوب فرماتی تھیں - یہ دو شعر تذکرہ چمن انداز
سے نقل کیے جاتے ہیں - جو بصورت قطعہ ہیں -

شب بزم ملاقات میں ہر چند یہ چاہا آنکھیں تو لڑاؤں ذرا اس رشک قمر سے
پر خوف مرے دل میں یہی آیا کہ ہے ہے نازک ہے نہ دب جائے کہیں تارِ نظر سے

بیگم - میر تقی میر کی دختر نیک اختر کا تخلص ہے جو شادی کے
چند ہی روز بعد دُنیا سے رخصت ہوئیں اور جن کی جوانا مرگی پر میر ایسے
مستغنی المزاج شاعر کو خون کے آنسو بہا کر یہ شعر کہنا پڑا -

اب آیا دھیان اے آرام جاں اس نامرادی میں
کفن دینا تمھیں بھولے تھے ہم اسباب شادی میں

بعض لوگ اس واقعہ کی طرف اس شعر کو بھی منسوب کرتے ہیں۔ اور یہ شعر بھی میر صاحب کے دیوان میں موجود ہے۔

دریں حدیقہ بہار و خزاں ہم آغوش است
زمانہ جام بدست و جنازہ بردوش است

مگر مجھے یاد ہے کہ میں نے یہ شعر کسی ایرانی شاعر کے یہاں دیکھا ہے حافظہ یاری نہیں کرتا کہ لکھوں معلوم نہیں کہ میری تحقیقات اور معلومات صحیح ہے یا عقیدت مندوں نے میر صاحب کے لئے اس شعر کو طغرائے امتیاز بنایا ہے۔ بہرحال مرحومہ کے شعر یہ ہیں۔ ایک تذکرہ میں لکھا ہے کہ یہ صاحب دیوان تھیں۔ مگر افسوس کہ اب صرف یہ تین شعر ملتے ہیں۔

برسوں خم گیسو میں گرفتار تو رکھا
اب کہتے ہو کیا تم نے مجھے مار تو رکھا

کچھ بے ادبی اور شب وصل نہیں کی
ہاں یار کے رخسار پہ رخسار تو رکھا

اتنا بھی غنیمت ہے تری طرف سے ظالم
کھڑکی نہ رکھی روزن دیوار تو رکھا

بیگم ۔ تارا بیگم نام تھا۔ اور یہ نمونہ کلام تھا۔ اور کچھ حال معلوم نہیں۔

کیوں وصل میں چھپاتا ہے تو ہم سے بار پیٹ
رکھتا ہے سو بہار کی اک یہ بہار پیٹ

بیگم۔ یہ ایک پنجابن باکمال رقاصہ کا تخلص ہے جو اپنے ہنر اور اپنے حسن صورت و سیرت سے اودھ کے عیاش مزاج نیکدل سلطان واجد علی شاہ مرحوم کے محل تک پہونچی اور اُن کی ممتوعہ ہوکر رشک محل کا خطاب پایا۔ لکھنؤ اور کلکتہ دونوں جگہ بادشاہ کے ساتھ رہی مرتے مرتے حق رفاقت ادا کیا۔ شاعری سے ذوق خاص تھا اور لطف یہ کہ وہ اپنی اصلی بول چال میں شاعری کرتی تھی یعنے اول اول ریختی گوئی کا شوق تھا۔ بعد کو نہ معلوم کیوں اس شاعری کو چھوڑکر مردانہ شاعری کیطرف مائل ہوئیں — یہ شعر مصنف تذکرۃ الشاعرات کے پاس بھیجے تھے اور اب تک اس تذکرہ میں درج ہیں —

ہے منظور باجی ستانا تمھارا
گلا کرتی ہے جو ڈگانا تمھارا

نہ بھیجو گی سسرال میں تم کو خانم
نہیں مجھ کو دو بھر ہے کھانا تمھارا

مری کنگھی چوٹی کی لیتی خبر ہو
یہ احساں ہے سر پر ڈگانا تمھارا

ہوا بال بیکا جو مرزا ہمارا تو پھر سنگ ہے اور فنا دا تمھارا

گھر سہ گانہ کے دوگانا مری مہمان گئی
میں یہ انگاروں پہ لوٹی کہ مری جان گئی

بائے فارسی

پارسا۔ تخلص ہے نواب میرزا محمد تقی خاں ہوس کی دختر نیک اختر کا جو اپنے وقت کے نہایت ہی مشہور و معروف شاعر تھے۔ بعض تذکرہ والے لکھتے ہیں کہ یہ نواب آصف الدولہ کے عزیز قریب تھے اور زمرۂ مصاحبین میں ایک ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ صاحب دیوان تھے۔ مثنوی لیلی مجنوں اردو کے مصنف ہیں جو مطبع منشی نولکشور لکھنؤ میں شائع ہو چکی ہی۔ بعض غلط نویسوں نے لکھدیا ہی کہ ان کا کوئی شعر لیلی مجنوں کے واقعات سے خالی نہیں ہوتا۔ مگر یہ سراسر غلط ہے۔ ان کے سیکڑوں شعران دونوں ناموں سے خالی ہیں ہاں مگر ہاں بحر متقارب اور متدارک میں ان کا کلام بیشتر ہے۔

چمن انداز کا مصنف ایک عجیب و غریب روایت بیان کرتا ہی

کہ پارسا کی شادی عمر بھر اس خیال سے نہیں کی گئی تھی کہ ان کے والد یعنی میر تقی ہوس اس بات کو عار سمجھتے تھے کہ کوئی داماد آئے نمونہ کلام

تن صورتِ حباب بنا اور بگڑ گیا — یہ قصر لاجواب بنا اور بگڑ گیا
چلتا نہیں ہے ابلقِ ایام ایک چال — اکثر یہ بدرکاب بنا اور بگڑ گیا

پیٹھ باز۔ کہا جاتا ہے کہ غدر سے پہلے یہ ناظورۂ عصمت فروش سہارن پور میں موجود تھی۔ اور خوبیوں میں اسکی شاعری نے اضافہ کر دیا تھا۔

کرتیاں جالی کی پہنے ہیں جوانانِ حسیں — حسن کی فوج میں دیکھے نیزہ پوش نئے

پیرویں۔ عزیزہ عابدہ خانم نام ہے۔ اکثر گلدستوں میں نظمیں وغیرہ شایع ہوتی رہتی ہیں۔ نظموں کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ نہایت اچھا شعر کہہ سکتی ہیں ۱۹۲۷ء جب کہ میں تذکرہ میں آپ کا ذکر کر رہا ہوں اس وقت تک اپنی سخن سنجی سے سامعہ نوازی کا اہل ذوق کو موقع دیتی ہیں۔ زمانۂ حال کی خوش گو شاعرہ ہیں تفصیل کے ساتھ حال معلوم نہ ہو سکا۔ چند رباعیاں جو سرما کے متعلق ہیں لکھتا ہوں۔

ورودِ سرما

رباعی

برسات گئی تو فصلِ سرما آئی — با دامنِ تر نسیمِ دریا آئی
اللہ ری سرد مہری وادیِ نجد — بردِ یمنی میں چھپ کے لیلیٰ آئی

باغوں میں وہ لطفِ سیر کا بھی نہ رہا — برفاب کا ذوق جانفزا بھی نہ رہا
سردی نے نشاطِ صبح پانی کر دی — جمنا پہ نہانے کا مزا بھی نہ رہا

گرما میں وہ سرگرمیِ احباب کہاں — وہ جلوۂ بحر و موج و سیماب کہاں
آسودگیِ لحافِ رنگیں معلوم — نظارۂ تاج و شبِ مہتاب کہاں

دل سرد ہے جا بادۂ عنابی لا — سونے کے لئے حسین مہتابی لا
دم بھرنے کو آئے نیند کا نام نہیں — اے اوّل شب لباسِ شبخوابی لا

اب غزل کے چند اشعار درج کرتا ہوں جو میرے اندازہ میں

حدِ مشقِ شاعری کا پتہ دیتے ہیں۔

خبر میری نہ لی برباد کر کے فتنہ گر تو نے
میں تکتی رہ گئی اور پھیر لی اپنی نظر تو نے

پتہ ہے اے صبا میرا نہ گلشن میں نہ مدفن میں
نہ جانے میری مٹی پھینک دی ظالم کدھر تو نے

سزا ملتی ہے لیکن بے وفا ایسی نہیں ملتی
ذرا سے جرمِ اُلفت پر ستایا عمر بھر تو نے

فریبِ کامیابی اے دلِ مضطر مبارک ہو
اِک امیدِ اثر پر آہ کھینچی رات بھر تو نے

تجھے تو صبحِ محشر کی گرانجانی سے لرزہ ہے
ابھی میری مصیبت کی کہاں دیکھی سحر تو نے

ابھی اک تیر سا سینہ میں آ کر کر گیا زخمی
کیا تھا کیا خدا معلوم سینہ تان کر تو نے

لطائف رہگذار برج کے کچھ تو سنا پروین
علیگڈھ سے کیا ہے خوب متھرا کا سفر تو نے

غالباً نومبر ۳۴ء کے رسالہ پیمانہ میں ساغر صاحب اڈیٹر پیمانہ نے اپنی ایک تصویر (ساغر عالم رنگ و بوم) کے عنوان سے شائع کی تھی جسکو دیکھکر پروین نے یہ نظم کہی۔ نظم نقل کرنے سے پہلے مجھے یہ لکھنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آجکل ملک کے موقر رسالے جو خواتین ہند کی عریاں نویسی کے عنوان سے متواتر مضامین لکھ رہے ہیں۔ اُن کی بانی ایسی ہی نظمیں ہوسکتی ہیں جو بلاشک صنف نازک کے لئے مخرب اخلاق کہی جاسکتی ہیں۔

پہلا رُخ

یہ وقار یہ متانت یہ ترا کم صباحت
یہ جبین صبح طلعت یہ ملاطم لیاقت

یہ حسین وضع و تمکین یہ نظر کی دلفریبی
یہ تناسب مؤثر یہ فسون جامہ زیبی

لب رنگ آفریں میں یہ چھپا ہوا تبسم
یہ دہان غنچہ پیرایہ ترا وش تکلم

ہے فسانہ ہر نگہ میں ہر ادا میں ہے کہانی
یہ شہاب سی امنگیں یہ شراب سی جوانی

دوسرا رُخ

یہ نگاہ میں شوخی یہ ادائے بے حجابی
کسی کنج گل میں جیسے ہو پڑا کوئی شرابی

یہ عذار بوس کاکل یہ نمایش پریشاں
کہ شراب جیسے آکر بنے آتش گلستاں

یہ کھلا ہوا گریباں یہ نمودِ جوشِ مستی — یہ خمار زیر آنکھیں یہ شباب مے پرستی
تری مستیاں وہ سمجھے جو خرابِ رنگ و بو ہو — ارے او جوان ساغر یہ جہاں ہو اور تو ہو

پری (ط) بی سیرہ نام عرف بی مسیحو۔ کلکتہ کی ایک یہودن تھی۔ خوش صورت۔ خوش سیرت تھی۔ انگریزی بھی جانتی تھی۔ اردو فارسی میں بھی مہارت تھی۔ تھوڑی بہت عربی سے بھی باخبر تھی کبھی کبھی اردو میں فکر شعر کرتی تھی سنہ ۱۲۹۹ھ میں زندہ موجود تھی۔

نمونہ کلام یہ ہے

سن کے میرا غصہ و غم ہنس کے کہتا ہے وہ شوخ
ہم نہ سمجھے کچھ کہ اس قصہ کا حاصل کیا ہوا
اب کسی کے پاؤں میں ایسے کڑے پڑتے نہیں
بعد میرے ناز و اندازِ سلاسل کیا ہوا
ہم ہیں اور آپ ہیں خلوت میں کوئی غیر نہیں
کیا عجب چین سے ہو جائے بسر وصل کی رات

پری (ط) پچن جان نام اکبر آباد کی ایک شاہد بازاری کا تخلص تھا منشی فدا حسین امیر (جن کا کہیں تذکروں میں پتہ نہیں چلا)

کی شاگرد تھیں۔ انھیں سے مشق سخن کرتی تھیں اور اردو میں اکثر فکر شعر کرتی تھیں نمونۂ کلام یہ ہے۔

گیسوئے پیچ جاناں کے حضور
پیچ کی لیتا ہے تو سنبل عبث

سلسلہ زنجیر کا اچھا نہیں
ہے خیال گیسو و سنبل عبث

پکھراج (ط) پکھراج بیگم نام تھا۔ اکبر آباد مولد اور اٹاوہ مسکن تھا۔ اردو میں شعر کہتی تھیں شعروں سے پتہ چلتا ہے کہ بہت عمدہ طبیعت پائی تھی۔ آمد کا کلام میں خاص خیال رکھتی تھیں۔

ہمیں ہر طرح ٹھہرتے ہیں خطادار ان کے
جب بگڑتی ہے کوئی بات بنا دیتے ہیں

خواب میں سیر کیا کرتی ہیں آنکھیں اُن کی
جب وہ سوتے ہیں تو جادو کو جگا دیتے ہیں

ولہ

ساتھ لیجاتے غم یار نہ کیونکر پس مرگ
ایسے بیزاد سفر قصد سفر کیا کرتے

بار اُٹھ سکتا نہیں موئے کمر کا اُن سے
پھر وہ شمشیر گراں سیا کمر کیا کرتے

یہ ملاحت رخ دلکش کی کہاں سے لاتے
ہمسری تجھسے بھلا شمس و قمر کیا کرتے

ساتھ ہم لیگئے سرمایہ عدم کو اپنا ۔۔۔ درد دل دیتے کسے سوز جگر کیا کرتے

جدا نہ غم سے رہا زیر آسماں کوئی ۔۔۔ بچا نہ ہاتھ سے اس پیر کے جواں کوئی

دنیا میں مثل خواب ہماری حیات ہے ۔۔۔ کیونکر خیال یار نہ پیش نظر رہے

تاریکی عمل سے کیا گور میں مقام ۔۔۔ منزل میں شب ہوئی تو سرا میں اُتر رہے

پکھراج بعد مرگ بھی غم ساتھ لے چلو ۔۔۔ بہتر ہے پاس اپنے جو زاد سفر رہے

پنہاں تخلص ہے سپہر آرا خاتون نام ہے۔ رابعہ خطاب ہے آپ بریلی کے ایک معزز خاندان سے ہیں مولوی عبدالاحد خاں صاحب جو الہ آباد کے سررشتہ تعلیم سے تعلق رکھتے تھے اور جنکی ادبی خدمات ہر طرح قابل توجہ ہیں۔ اُن کی صاحبزادی ہیں ۔زمانہ موجودہ کی بہترین شاعرہ ہیں نظم و نثر دونوں میں کافی مہارت رکھتی ہیں۔ بلکہ نظم و نثر کے علاوہ آپ زبان فارسی میں بھی نہایت اچھے شعر کہتی ہیں۔ زنانہ رسالوں کے علاوہ بھی کوئی ادبی رسالہ آپ کے فیض سخن سے محروم نہیں ہے میں جملہ اقسام کلام کا کچھ نمونہ پیش کرتا ہوں ۔غزل کا نمونہ

سینہ ہو ایک یاس کا صحرا لیے ہوئے ۔۔۔ دل رنگ گلستان تمنا لیے ہوئے

ہے آہ درد و سوز کی دنیا لیے ہوئے ۔۔۔ طوفان اشک خون ہے گریا لیے ہوئے

اک کشتۂ فراق کی تربت پہ نوحہ گر ۔۔۔ داغ جگر میں شمع تمنّا لیے ہوئے

ہیں اک طرف ہوئے تنگ گل خزاں پائمال یاس ۔۔۔ اک سمت وہ بہار کا جلوا لیے ہوئے

جانا سنبھل کے اے دل بیتاب بزم میں ۔۔۔ ہے چشم ناز محشر غمزہ لیے ہوئے

سوزاں نہ یہ چمن ہو مرے نور آہ سے ۔۔۔ او گلشن جمال کا جلوا لیے ہوئے

مجنوں سے تو حقیقت صحرا کے نجا۔ پوچھ ۔۔۔ ہے ذرہ ذرہ جلوۂ لیلا لیے ہوئے

عشق جنوں نواز چلا بزم ناز میں ۔۔۔ اک اضطراب شوق کی دنیا لیے ہوئے

میری تو ہر نگاہ ہے وقف عبودیت ۔۔۔ وہ ہر ادا میں حسن کلیسا لیے ہوئے

مرہم سے بے نیاز ہیں پنہاں یہ زخم دل
کیا کیا فسوں ہے چشم دل آرا لیے ہوئے

ایک نظم کے دو چار شعر لکھتا ہوں جو انھوں نے اپنے والد جناب مولوی عبدالاحد خاں صاحب مرحوم کے انتقال کے صدمہ سے متاثر ہو کر لکھی ہے میرا ارادہ تھا کہ تمام و کمال نظم لکھ دوں مگر چونکہ بہت طویل ہے اس لئے دو چار شعر منتخب کر کے لکھتا ہوں ۔

آہ وہ ایامِ عشرت ہائے وہ لیل و نہار — واپس آ سکتے نہیں اس زندگی میں زینہار

نالے آتش ریز آہیں خون میں ڈوبی ہوئی — آنکھ غم آگیں نگاہیں خون میں ڈوبی ہوئی

سوزشِ پنہاں سے پڑتے ہیں زباں میں آبلے — ہونٹھ تھرتھر کانپتے ہیں گفتگو کرتے ہوئے

کیا خبر تھی اسطرح لُٹ جائیگا یہ کارواں — کیا خبر تھی در پئے آزار ہوگا آسماں

اے اجل کیوں تو نے لوٹے میرے اسبابِ نشاط — ابرِ غم سے ہو گیا بے نور مہتابِ نشاط

آ نہیں سکتا پھر اب وہ وقت اے پنہاں کبھی — صبحدم بستر سے میں اُٹھتی ہوں با صد خرمی

پڑھ رہے ہیں تخت پر وہ میرے ابا جاں نماز — اور جبین نور افشاں سے ٹپکتا ہے نیاز

چھاؤنی میں تارونکی بیفکری سے ہیں لیٹے ہوئے — گرد سب بچے ہیں اُن کے شادماں بیٹھے ہوئے

ہائے ابا جان کدھر اسطرح پھیری نگاہ — اس جہاں میں اُف ہمیں چھوڑا تڑپتا آہ آہ

رابعہ صدقے گئی یہ بند آنکھیں کھولیئے — آہ ان معجز نما ہونٹوں سے کچھ تو بولیئے

ہائے سینہ سے لگا لیجئے ہمیں پھر ایکبار — ہو رہے ہیں دیکھئے ہم لوگ کتنے بیقرار

اے اجل تجھکو مبارک ہوں یہ ظلم آرائیاں — لوٹ لے دل کھول کر ظالم یہ گلزارِ جہاں

ہے مزین اپنی ہستی سے ترے دریائے ظلم — ہے ہمارے خون سے لبریز یہ مینائے ظلم

میری بربادی میں مضمر تیرا رازِ زندگی — سوز ہی مظلوم کا ظالم کا سازِ زندگی

آہ ہو جائے شکستہ کاش یہ تارِ نفس — ہو کہیں آزاد یہ مرغِ گرفتارِ قفس

گر دے اے باد اجل گل ابھی ہی شمع حیات　　میری وہ زندگی کی کاش ابھی جائے رات

ایک فارسی غزل کے اشعار بھی ملاحظہ فرمائیے خسرو کی نکالی ہوئی زمین پہ آپ نے بھی نہایت عمدہ طریقہ سے طبع آزمائی کی ہے ۔

جمالش زینت دل بود شب جائیکہ من بودم　　بہ چشم دہر باطل بود شب جائیکہ من بودم
ز فیض جنبش ابروے آں شوخ کماں بازی　　دل من نیم بسمل بود شب جائیکہ من بودم
نگاہم بر تجلاے رخ آئینہ رخسارے　　سرم بر پائے قاتل بود شب جائیکہ من بودم
بپیر آں رہبر کامل طریق عشق و الفت را　　سر تلوار منزل بود شب جائیکہ من بودم
خودش را من ندانستم چہ دانم صدرا صوفی　　گل صد رنگ محفل بود شب جائیکہ من بودم
دلم پر خست با دجال دست داد یا من　　وجود غیر باطل بود شب جائیکہ من بودم
چساں دل محو ایسا زد زیاد و کیف و شیفتہ　　دلم نخچیر قاتل بود شب جائیکہ من بودم
ز فیض نرگس مستان ساقی شد بپا محشر　　جہاں نخچیر دل بود شب جائیکہ من بودم
خط رنگیں کہ بر پیشانی بسمل کشیدہ تیغ　　نشان عشق کامل بود شب جائیکہ من بودم
خم زلف نگارے کرد پنہاں طرفہ اعجازے　　خیالم در سلاسل بود شب جائیکہ من بودم

پیاری تخلص (ط) پیاری جان نام تھا۔ وادھوان رنگ محل متعلقہ گجرات کی رہنے والی تھیں شاہد بازاری اور بازار کی زینت افزا تھیں

سنہ ۱۲۹۹ھ میں غالباً زندہ تھیں۔ ایک شعر تذکرہ شمیم سخن میں ملا ہے۔ جو درج تذکرہ ہے۔

کچھ نہ پوچھو اشتیاق وقت نزع
دو قدم جاتی ہے پھر آتی ہے روح

تائے قرشت

تسلّی۔ تخلّص۔ منا جان نام۔ کرنال کی ایک پردہ نشین عصمت فروش تھی۔ اسی برس کے قریب انتقال کو زمانہ گزر چکا ہے مگر یہ شعر اب تک یادگار ہے ؎

اے تسلی ترا دل چھین لیا ہے کس نے
ہاتھ سینہ پہ دھرے گو ہیں کیوں جاتی ہو

تصویر۔ گلستان بےخزاں میں بغیر نام و بغیر نشان وغیرہ کے صرف دو شعر لکھے ہیں۔ انداز کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی یا اطراف و نواح دہلی کی رہنے والی تھی۔ اور کم از کم میر و مصحفی کا زمانہ پایا۔

چل ہوا کھا نہ صبا اس دل دلگیر کو چھیڑ
کیا مزہ پائیگی تو غنچۂ تصویر کو چھیڑ

محبت اب تلک رکھتی ہے یہ تاثیر مجنوں کی
کہ بن لیلیٰ نہیں کھنچتی کہیں تصویر مجنوں کی

مصنف تذکرہ چمن انداز نے اپنا قیاس بیان کیا ہے کہ شاید یہ شاعرہ مصنّف

گلستان بیخزاں کی شاگرد ہو۔ مگر یہ قرینِ قیاس نہیں ہے۔ اس لئے کہ کتاب مذکورۂ بالا گلشن بیخار کے جواب میں لکھی گئی تھی۔ اور غرض اسکی تدوین و ترتیب سے اسکے سوا اور کچھ نہیں کہ نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ نے جو گلشن بیخار میں نظیر اکبر آبادی کو ایک عامیانہ بازاری شاعر بتایا ہے اسی وجہ سے گلستان بیخزاں میں مشاہیر دہلی مثل غالب و مومن پر اعتراض کئے گئے ہیں۔ اگر یہ شاعرہ مصنف گلستان بیخزاں کی شاگرد ہوتی تو غالبًا ازراہ تفاخر یہ اُس کا ذکر کر دیتے۔

تائے ہندی

ٹھٹولی۔ صرف تخلص اور ایک شعر جو درج تذکرہ کیا جاتا ہے دوسرے تذکروں میں ملتا ہے اور نہ نام کا پتہ ہے نہ مسکن کا نہ حالات کا نہ خیالات کا۔

ٹھٹولباز کہے تھا یہ کل ٹھٹولی سے   کہ مان میرا کہا آ اُتر کے ڈولی سے

ثائے مثلثہ

ثریا۔ تخلص۔ نبٹری بیگم۔ مرزا علیخاں وظیفہ خوار شاہ دہلی کی

اہلیہ کا تھا - غدر ۱۸۵۷ء میں بیوہ ہو کر اپنے کسی عزیز کے پاس اکبر آباد چلی گئی تھیں اور وہیں عمر بھر رہیں - اس ہنگامہ اور اپنی بیوگی کی وجہ سے دل کچھ ایسا متاثر ہو گیا تھا کہ شعر و شاعری کو بھی خیر باد کہدیا اور بقول میر حسن

گیا جبکہ اپنا ہی جیورا نکل　　کہاں کی رباعی کہاں کی غزل

سب باتیں چھوڑ کر ایک فقیرانہ وضع میں زندگی گزارتی تھیں - نمونہ کلام یہ ہے

بتا دیں ہم تمھارے کاکل شبگوں کو کیا سمجھے

سیہ بختی ہم اپنی یا اسے کالی بلا سمجھے

جدھر دیکھا اُٹھا کر نیم بسمل کر دیا اُس کو

تری مژگاں کو ہم سوفار پیکان قضا سمجھے

شہا - آگرہ کی ایک خوش کلام شاعرہ طبقۂ شرفا سے تھیں ایک شعر یادگار ہے -

زاہدا توبہ کی جلدی کیا ہے

یہ بھی کر لینگے جو فرصت ہوگی

جیم تازی

جان تخلص (ط) اور صاحب جان نام تھا۔ فرخ آباد کی رہنے والی تھیں حسین صاحب جمال تھیں۔ مگر حسن صرف زینت بازار رہا چند روز بازار دہلی کی بھی افزایش زینت کا باعث ہوئی تھیں۔ دو چار شعر محفوظ تھے جو درج کرتا ہوں۔

حال جانبازی کا میں کس سے کہوں — جس سے کہتی ہوں وہی ہنستا ہے
جان و دل بیچتے ہیں ہم اپنا — ایک بوسہ پہ لیلو سستا ہے

جانی۔ نواب قمرالدین خاں مرحوم کی دختر نیک اختر موسوم بہ بیگم جان المعروف بہ بہو بیگم کا تخلص تھا۔ یہ شاعرۂ گرامی اودھ میں نہایت مشہور و معروف گزری ہیں۔ نواب آصف الدولہ بہادر کی حرم تھیں۔ عمر بھر داد و دہش اور نیکنامی ان کا شعار تھا۔ آخر وقت میں جب عالم نزع تھا ایک خواجہ سرا ہمدم نامی عیادت کے لئے آیا۔ اور آپ سے آپکا مزاج پوچھا۔ کرب و تکلیف کے عالم میں یہ شعر فی البدیہہ نظم کرکے ارشاد فرمایا

کیا پوچھتا ہی ہمدم اس جان ناتواں کی — رگ رگ میں نیش غم ہے کہئے کہاں کہاں کی

دو چار شعر نمونتاً ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں۔

بیاں میں کس سے کروں جا کے اب گلا دل کا
یہ دل کا دل ہی میں ہووے گا فیصلہ دل کا

دِل جس سے لگایا وہ ہوا دشمن جانی — کچھ دل کا لگانا ہی ہمیں راس نہ آیا

نہیں ٹانکے مرے زخم جگر پر — یہ اس کا خندۂ دنداں نما ہے

نہیں ٹلتی کسی عنوان سر سے — شب غم بھی کوئی کالی بلا ہے

دہاں پر تیرے تھا ہم کو توہم — یہ ہم پر آج ہی عقدہ کھلا ہے

جعفری تخلص تھا۔ کاملہ بیگم نام تھا۔ شاہ نصیر استادِ ذوق کی شاگرد تھیں۔ اپنے زمانہ کی مشہور خوش گو تھیں عہد شاہ عالم بادشاہ میں زندہ تھیں۔ کلام یہ ہے۔

ساقیا مجھ کو ترا ساغر پلانا یاد ہے — کلمۂ لاتقنطوا سے دِل چھکانا یاد ہے

کہا منصور نے سولی پہ چڑھ کر عشق بازوں سے
یہ اُس کے بام کا زینا ہے آئے جسکا جی چاہے

غرور حسن پہ ہم سے وہ ناحق جھانجھ کرتا ہے
یہ نوبت چند روزہ ہے بجائے جسکا جی چاہے

تصور اس صنم کا دل میں لائے جس کا جی چاہے
ہماری بات سن کر آزمائے جسکا جی چاہے
محبت کے محل میں عاشق جانباز رہتا ہے
نہیں خالہ کا گھر اس میں جو آئے جسکا جی چاہے

جعفری - یہی نام بھی تھا یہی تخلص بھی تھا۔ لکھنؤ کی ایک مشہور طوائف تھی منشی فدا حسین فصنا سے صلاح لیتی تھی مدتوں لکھنؤ میں رہی آخر کلکتہ چلی گئی بارہ سو نواسی ہجری میں زندہ تھی انداز کلام دیکھیے۔

منھ کو آجائے کلیجہ ضبط کی طاقت نہو | گر ہمارا دل رہے دم بھر کسی دل کے پاس

جمال - بلقیس نام ہے جمال وجمالی تخلص ہے زمانۂ موجودہ کی خوش فکر شاعرہ ہیں۔ نظم ونثر دونوں پر قادر ہیں متفرق گلدستوں اور رسالوں میں کلام شائع ہوتا ہے۔ نمونتًا کچھ کلام نذر ناظرین ہے یہ کلام ۱۳۲۹ھ کا ہے

در حبیب سے اپنی نظر ہٹا نہ سکے | لبوں پہ دم تھا مگر آنکھ ہم چرا نہ سکے
وہ کیا چڑھائینگے پھول آکے میری تربت پر | جو جیتے جی کبھی بالیں پہ میری آنہ سکے
گرینگے قید قفس سے وہ کیا رہا ہمکو | قفس کی تیلیوں سے جو چمن دکھا نہ سکے
کیئے جو درد سے نالے اسیر بلبل نے | کچھ ایسی اوس پڑی پھول مسکرا نہ سکے

اُسے وہ بارِ امانت اُٹھا لیا میں نے — کہ آسمان و زمیں بھی جسے اُٹھا نہ سکے

بوقتِ قتل مرے شوقِ بیقرار کو دیکھ — ہُوا وہ اُن کو تحیر کہ ہاتھ اُٹھا نہ سکے

وہ رعبِ حسن تھا غالب بوقتِ دیدِ جمال — ہم اپنا حال اشاروں سے بھی سُنا نہ سکے

چلے تلاش میں اسکی رہِ طلب میں مگر — کچھ ایسے کھوئے کہ اپنی خبر بھی پا نہ سکے

جفائے اہلِ وطن کی یہ انتہا ہے جمال
قسم تک اپنے وطن کی ہم آہ کھا نہ سکے

سودائے خام سر سے کافور کر دیا ہے — دل اُن کی یاد نے کیا مسرور کر دیا ہے

ہر سانس اک لہو کا دریا بنی ہوئی ہے — دل میں کسی نے ایسا ناسور کر دیا ہے

اے چشمِ مست جاناں تیری ہی مستیوں نے — نرگس کو یوں چمن میں مخمور کر دیا ہے

ایمن کے جانیوالے ہاں اک نظر ادھر بھی — جلوہ فروشیوں نے دل طور کر دیا ہے

پہلے وفا پہ کب تھا آمادہ وہ جفا جو — میری ستم کشی نے مجبور کر دیا ہے

ہستی سے میری پہلے واقف نہ تھا زمانہ — اُس بُت کی اک نظر نے مشہور کر دیا ہے

خوش باش اے تصور اک حُسن خود نما نے — جلووں سے خانۂ دل معمور کر دیا ہے

ہوں بے نیازِ صہبا تا حشر اے جمالی
ساقی کی اک نظر نے مخمور کر دیا ہے

جمعیت - دین عیسوی کی پیرو تھی - اسکی ماں یا نانی ہندوستانی تھیں - باپ انگریز تھا - میجر آرچیبلٹن سے اسکی شادی ہوئی تھی آگرہ میں قیام تھا میجر آرچیبلٹن سے کئی اک لڑکیاں بھی پیدا ہوئیں جو سب کی سب یورپین اصحاب سے منسوب ہوئیں جمعیت ایک نہایت ذکی اور طباع عورت تھیں - برج بھاکھا میں انکی ہولیاں دادرے ٹھمریاں ٹپے بھی موجود ہیں - فارسی میں بھی اچھا خاصہ دخل رکھتی تھیں - موسیقی میں کامل مہارت تھی - اُردو کے شعر بھی خوب کہتی تھیں نمونہ کلام یہ ہے

اسواسطے رہتی ہوں میں مضطر کئی دن سے ‎ ‎ روٹھا ہی ہمارا جو وہ دلبر کئی دن سے

رہتا ہی خفا مجھ سے جو دلبر کئی دن سے ‎ ‎ مقسوم کی خوبی ہو یہ قسمت کا ہو جہاں

خدا کے روبرو جانا ندامت مجھ کو بھاری ہے

کوئی نیکی نہ بن آئی اسی کی شرمساری ہے

جینیا بیگم - مرزا بابر مغفور کی دختر نیک اختر کا نام تھا - جہاندار شاہ بہادر ولیعہد بادشاہ دہلی کی خاص محل تھیں - کبھی کبھی شعر بھی کہتی تھیں جو زبان کی خوبیوں میں ڈوبے ہوئے ہوتے تھے مصنف چمن انداز کا بیان ہے کہ مرزا رفیع سودا کی شاگرد تھیں - نمونہ کلام یہ ہے —

یا الٰہی یہ کس سے کام پڑا   دل تڑپتا ہے صبح و شام پڑا

روٹھنے کا عبث بہانا تھا   مدعا تم کو یاں نہ آنا تھا

یہ کسکی آتش غم نے جگر جلایا ہے   کہ تا فلک مرے شعلے نے سر اٹھایا ہے

ڈبڈبائی آنکھ آنسو تھم رہے   کاسۂ نرگس میں جوں شبنم رہے

آیا نہ کبھی خواب میں بھی وصل میسّر   کیا جانیے کس ساعت بد آنکھ لگی تھی

نہ دل کو صبر نہ جی کو قرار رہتا ہے   تمھارے آنے کا نت انتظار رہتا ہے

جیم فارسی

چندا۔ تخلص بھی یہی ہے نام بھی یہی ہے سنہ ۱۱۹۹ھ میں جبکہ صوبہ دار ارسطو جاہ کے رفعت و صولت کا بازار دکن میں گرم تھا وہی

زمانہ تھا کہ چندا کی شاعری آفتاب نصف النہار بن کر دکن کے آسمان شہرت
پر چمک رہی تھی۔ ظاہراً یہ ایک شاہد بازاری تھی مگر دولت و حشمت عزت
و رفعت میں اپنے زمانہ کے رؤسا سے بڑھی ہوئی تھی۔ قریباً پانچسو سپاہیوں
اور برق اندازوں کے ہر وقت دروازہ پر مستعد رہتے تھے۔ خوبصورتی
کے علاوہ خوش سیرت بھی تھی سیکڑوں شعرائے وقت اسکی مدح و ثنا کرتے
تھے اور گوہر مقصود سے اپنا دامن بھر کر لیجاتے تھے فن موسیقی میں اسکو
کمال مہارت تھی۔ اسکے علاوہ گھوڑے کی سواری کا بھی شوق تھا اور
اسمیں بھی ایک کامل شہسوار کی طرح اپنے جوہر دکھاتی تھی فنون جنگ
بھی سیکھے تھے تیراندازی میں اپنا نظیر نہ رکھتی تھی۔ ورزش کرتی تھی۔
اور پہلوانی کا دم بھرتی تھی۔ ان سب باتوں کے علاوہ بڑی فوقیت
جو شاعرہ ہونے کی حیثیت سے اسکو حاصل تھی وہ یہ تھی کہ جیسے ریختہ گویوں
میں فرقۂ ذکور میں ولی کو سب سے پہلے ترتیب دیوان کا شرف حاصل
ہے اسی طرح طبقۂ اناث میں ریختہ کی سب سے پہلی صاحب دیوان
یہی گزری ہے۔ کلام میں جملہ اصناف سخن پر قادر تھی۔ شیر محمد خاں متخلص
بہ ایمان جو حیدرآباد کے ایک نہایت مشہور اور اپنے وقت کے مستند

ریختہ گو تھے۔ اس کے اُستاد تھے مصنف طبقات الشعراء لکھتے ہیں کہ
سنہ ۱۱۷۹ھ عہد عالمگیر ثانی میں اپنا مرتب شدہ دیوان ایک ذی شان
انگریز کو نذر دیدیا تھا۔ جو نہایت قدر کے ساتھ لے لیا گیا اور ابتک
لندن کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ افسوس اور تعجب ہے کہ اس
ماہرِ فن کا صرف ایک شعر تذکروں میں ملتا ہے جو نقل کیا جاتا ہے

اخلاق سے تو اپنے واقف جہاں ہیگا
پر آپ کو غلط کچھ اب تک گمان ہیگا

چھوٹے صاحب۔ لکھنؤ کی ایک شاہد بازاری تھی۔
الور کے دربار میں نوکر تھی ایک شعر یادگار ہے جو مصنف جمع انداز
نے کسی بیاض سے نقل کیا تھا اور میں تذکرۂ مذکور سے نقل کرتا ہوں۔

کرتیاں جالی کی پہنے ہیں جوانان حسین   حسن کی فوج میں دیکھے زرہ پوش نئے

حاے حطی

حاتم۔ یہ ایک پردہ نشین دہلوی کا تخلص تھا جو سنہ ۱۲۹۳ھ تک
یقیناً زندہ تھی۔ زیادہ حال معلوم نہیں ہوا۔ کلام یہ ہے۔

مجھ کو کدورتوں سے ملاتے ہو خاک میں　　کہہ دیجئے جو آپ کے دل میں غبار ہو

دشمن کا شکوہ تم نہیں سنتے نہیں سہی　　میرا ہی غم سنو نہ اگر ناگوار ہو

حبیب - ایک پردہ نشین عفت مآب دہلی کی خاتون کا تخلّص تھا جو ۱۸۶۰ء تک زندہ تھی - ایک مرتبہ اپنے چچا کو جو نابھہ میں مقیم تھے یہ شعر لکھ کر بھیجا -

رکھیں ہمنے باریک بٹ کر سویاں　　چچا آکے نابھہ سے چٹ کر سویاں

حجاب - تخلص تھا عسکری بیگم نام تھا - یہ عفت مآب ملا محمد لواں اصفہانی کی پوتی - محمد علی خاں مسیحا کی شاگرد - لکھنؤ کی رہنے والی تھی شعر و شاعری سے ایک فطری ذوق و شوق تھا - اکثر مشاعرہ اپنے مکان پر کرتی اور کبھی کبھی اُن کی غزل بھی پڑھی جاتی تھی - ایک مرتبہ پوری غزل شائع ہوئی تھی اب صرف ایک شعر یاد ہے -

رات کو آئینگے ہم صاف معمّا یہ ہے　　وعدہ وصل کیا اُسنے دکھا کر گیسو

حجاب - ایک کشمیری عفت مآب خاتون کا تخلّص تھا جو ۱۲۹۳ھ میں اپنے شوہر کے ساتھ بمبئی میں مقیم تھی - اُردو کی شاعری میں بھی مشق تھی اور فارسی کے شعر بھی کہتی تھی - اُسی کا یہ شعر ہے -

کیا جانے بھلا لذت دیدار کو اپنی جبتک کوئی یا دیدۂ خونبار نہووے

حجاب تخلص تھا نواب بیگم نام - چھوٹی بیگم عرف تھا - نواب اعظم علی خاں فرزند نواب معتمد الدولہ بہادر برادر غازی الدین حیدر بادشاہ اودھ کی صاحبزادی تھیں نہایت خلیق نیک نہاد شریف پرور تھیں ۱۲۵۹ھ میں پیدا ہوئیں اور اودھ کے آخری تاجدار واجد علی شاہ بادشاہ اودھ سے نکاح ہو کر بیگمات میں داخل ہوئیں آخر میں بحالت نظربندی بادشاہ کے ساتھ کلکتہ چلی گئیں شعر و شاعری سے نہایت ذوق تھا بلکہ بعض تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ صاحب دیوان تھیں ایک شعر یادگار ہے

بن کے تصویر حجاب اسکو سراپا دیکھو منہ سے بولو نہ کچھ آنکھوں سے تماشا دیکھو

تذکرہ چمن انداز کے مصنف نے لکھا ہے کہ دیوان اختر یعنی واجد علیشاہ بادشاہ کے یہاں ایک خمسہ اُن کے نام سے موجود ہے نمونہ یہ ہے -

کہیں کیا لے حجاب آخر یہ دیکھا آنکھ سے ہم نے
کیا طوفاں بپا بحرِ سرشک چشمِ پُرنم نے
اُڑا دی نیند اُس کی جب فراقِ یار کے غم نے
گزاری رات ساری تارے گن گن کے ہے عالم نے

ہوا شب کو جو دھوکا اپنے اختر کا ستاروں میں

حجاب فخر النسا بیگم نام ہے۔ زمانۂ حال کی ایک مشہور شاعرہ ہیں۔ شاہجہاں پور وطن ہے۔ اکثر مشاعروں میں شریک ہوئیں اور شعراکو اپنا کلام سنایا۔ قنات وغیرہ کی آڑ میں پڑھتی ہیں اور اہل کمال سے داد لیتی ہیں۔ نہایت خوب شعر فرماتی ہیں اب کوئی ۴۵۔ یا پچاس برس کی عمر ہے۔ اب تک بقید حیات ہیں میں ایک غزل نقل کرتا ہوں جو سید التفات رسول مرحوم تعلقدار سندیلہ کے مشاعرہ میں پڑھی تھی۔ نہایت خوب غزل ہے اب غالبًا ایک دیوان جمع ہوگیا ہوگا۔ آجکل شاید مشاعروں میں شرکت نہیں فرماتیں۔

کہاں ممکن ہے پوشیدہ غم دل کا اثر ہونا
لبوں کا خشک ہوجانا بھی ہے آنکھوں کا تر ہونا

غضب مل کر جدا مجھ سے ترا او فتنہ گر ہونا
ستم نالوں کا پر تاثیر ہو کر بے اثر ہونا

جگر میں دردلب پر نالۂ وحشت اثر ہونا
عیاں کرتا ہے اک رشک کسی کا دلمیں گھر ہونا

غضب نالہ کشی اک صاحب عصمت کے کوچہ میں
ستم اے دل کسی پردہ نشیں کا پردہ در ہونا
وہ اُن کا چپکے چپکے مسکرانا خون رونے پر
وہ میرا دل ہی دل میں واصف رنگ اثر ہونا
نہیں علت سے خالی میش دشمن او ستم پیشہ
یہ منھ میری طرف ہونا تری نظریں اُدھر ہونا
غضب ہے دل کا رہ رہ کر تڑپنا میرے پہلو میں
کیے دیتا ہے ظاہر بسمل تیر نظر ہونا
بہت کچھ ہو چکی ہے پوچھ کچھ ارباب محفل کی
ذرا او انجمن آرا مخاطب اب ادھر ہونا
جو تنہا پاس منزل دل کو شایاں ہے محبت میں
تو آنکھوں کو ہے لازم دیدۂ حسرت نگر ہونا
جو تجھ کو اپنے چشم شوق کی پتلی سمجھتا ہے
ستم ہے اس سے پوشیدہ ترا اے تل نظر ہونا
قیامت تھا ستم تھا قہر تھا خلوت میں او ظالم

وہ شرما کر ترا میری بغل میں جلوہ گر ہونا

ستم کی جور کی بیداد کی کافی شہادت ہے

جدائی میں مرا بیتاب بے خود بے خبر ہونا

وہ تڑپانا کسی بیدرد کا مجھ کو نڈر ہو کر

وہ میرا ڈرتے ڈرتے شاکی دردِ جگر ہونا

جو اک سوتے ہوئے فتنہ کو چونکا دینگے غفلت سے

ان آنکھوں میں مناسب ہے قیامت کا اثر ہونا

حجاب آکر سندیلہ میں جو شاعر جمع ہوتے ہیں

مزا دیتا ہے کیا کیا مجمع اہل ہنر ہونا

حجاب (ط) تخلص منی بائی نام منجھلی لقب۔ کلکتہ بازار کولوٹولہ کی ایک طوائف تھی۔ مولوی عصمت اللہ صاحب جو پہلے محبور اور بعد ازاں انسخ تخلص کرتے اور مولوی عبدالغفور صاحب نساخ مصنف تذکرہ سخن شعرا کے شاگرد قصبہ پنڈوہ ضلع ہگلی کے رہنے والے تھے۔ اس کے شعروں پہ اصلاح کرتے تھے۔ یہ شاعرہ اولاً کلکتہ میں رہی اور پھر رامپور بھی آئی۔ موسیقی میں اسکو کمال تھا۔ ۱۲۹۹ھ میں عالم شباب تھا۔

مرزا داغ دہلوی اور حجاب کے بہت سے افسانے مشہور ہیں کلام کا نمونہ یہ ہے

عدو کے کہنے سے مجھکو ذلیل و خوار کیا
سزا یہ اُسکی ہے میں نے جو تمکو پیار کیا

کہونگا داورِ محشر کے آگے حشر میں بھی
کہ عمر بھر اسی کافر کو میں نے پیار کیا

ہم اور پیچ میں آتے ہیں اُنکی باتوں کے
انھوں نے وعدہ کیا ہمنے اعتبار کیا

بتا تو چرخ بھلا اس سے تجھکو کیا حاصل
کسی کا شیوۂ ذاتی جو اختیار کیا

مزا یہی ہے کہ طرفین سے ہو بیچینی
مرے تڑپنے نے اُنکو بھی بیقرار کیا

اِک دم بھی کسی کروٹ نہیں ملتا آرام
ہائے بیچین ہیں ہم درد جگر سے کیا کیا

اُن سے کہدو کہ ہمیں تم سے یہ امید نہ تھی
وعدہ ہمسے ہو رہو غیر کے گھر وصل کی رات

حالِ حجاب قابلِ شرح و بیاں نہیں
آنسو نہ ٹپکے سُنکے یہ وہ داستاں نہیں

وہ اور میرے گھر میں چلے آئیں خود بخود
سر پر مرے حجاب مگر آسماں نہیں

رقیب نے اسے رسوا کیا سرِ محفل
غضب تو یہ ہے کہ اسپر بھی شرمسار نہیں

گلستاں میں آج پھر سیر بہار آنے کو ہے — مژدہ باد اے بلبلو فصل بہار آنے کو ہے

دھوم ہے گھر میں ہمارے یار آتا ہے حجاب — پھر استقبال لب پر جان زار آنے کو ہے

کیا تماشا ہے کہ لیکر آئنہ کو ہاتھ میں — دیکھکر زلفیں وہ اپنی آپ بل کھانے لگے

پھر تصور کاکل جاناں کا مجھکو آ گیا — سینۂ محزوں میں پھر دو سانپ لہرانے لگے

شوخ ہوبے باک ہو سفاک ہو چالاک تو — کیوں شب وصلت میں مجھسے تیر پانے لگے

حجاب (ط) بنّی جان طوائف ساکن ہاپوڑ ضلع میرٹھ کا تخلص ہے جو اچھی خاصی شاعرہ تھی۔

نکلے نہ کیونکر بھلا منہ سے سدا واہ واہ — نام خدا اے صنم تیری ادا واہ واہ

حُسن (ط) تخلص گنّا جان نام دربھنگہ کی رہنے والی ایک طوائف تھی ہُنر بھی تخلص کرتی تھی ۱۲۹۹ھ میں زندہ تھی۔

یا الٰہی کیا ہوے وہ میرے داغ آرزو — کچھ اندھیرا سا نظر آتا ہے مجھکو دل کے پاس

قاصد لیلی بنا تھا نجد میں شور جرس — قیس آیا بے طلب کیونکر وہ محمل کے پاس

حُسن (ط) وزیر جان نام۔ پاٹا نالہ لکھنؤ کی رہنے والی طوائف کا تخلص ہے جو کبھی کبھی شعر بھی کہتی تھی۔

نالۂ سوزاں جو کھینچے میں نے روکے ہجر میں
رشک سے بجلی جلی شرمندہ اشکِ تر ہوا

وہ مریضِ غم ہوں میں جسکو دوا آئی نہ راس
سر پہ جب صندل لگایا اور دردِ سر ہوا

حسین (ط) تخلص۔ اختر جان نام۔ بازار آگرہ کی زینت بڑھانے والی شاہد بازاری کا تھا۔ یہ آگرہ میں عارضی طریقہ سے مقیم تھی دراصل حیدر آباد کی رہنے والی تھی اب سے ۵۰ برس پہلے کی شاعرہ ہے کلام کے حسن کا نمونہ دیکھیے۔

جسوقت تک وہ بزم میں پیشِ نظر رہے — ہم اپنا دونوں ہاتھوں سے تھامے جگر رہے
صحرا نوردیوں کو بہانہ تو خوب ہے — اچھا ہے سر میں زلف کا سودا اگر رہے
جلاد تیغ ناز کو جسدم علم کرے — شرطِ نیاز یہ ہے کہ قدموں پہ سر رہے

حشمت (ط) تخلص مہر جان نام۔ شاہد بازاری تھی۔ پہاڑ گنج دہلی میں سکونت رکھتی تھی اور سخنوران باکمال کا چونکہ اس کے یہاں مجمع رہتا تھا اس واسطے شاعرہ بھی بن گئی تھی غدر سے پہلے زندہ تھی اور سید احمد صاحب معروف بہ چھوٹے صاحب متخلص بہ نگہت دہلوی سے اصلاح لیتی تھی

کلام یہ ہے ۔

منہ کہیں پھرتا ہے اے قاتل تری تلوار کا
خون بہ جائے نہ جب تک بے گنہ دو چار کا

لامکاں تک جا چکی ہے بارہا آہ رسا
پھاندنا مشکل نہیں کچھ آپ کی دیوار کا

میں وہ صابر ہوں کیا شکوہ نہیں نے آجتک
چرخ کے ہاتھوں سے کیا کیا کچھ نہ مجھپر ہو گیا

لے گیا پیغام اپنا بن کے قاصد یار تک
مرغ دل ہی بارہا اپنا کبوتر ہو گیا

حنا مہدی جان طوائف مرزاپور کی رہنے والی کا تخلص ہے جس کو شعر و سخن سے ایک خاص ذوق تھا اور سید الطاف حسین صاحب شیدا مرزاپوری سے اصلاح لیتی تھی نمونہ کلام یہ ہے ۱۲۸۸ھ تک زندہ تھی ۔

جو تھا میں عاشق ابروئے تیغ قاتل کی ۔۔۔ ہلال بن کے لپٹنے لگی گریباں سے
لڑی ہیں اشک کے قطروں سے اسلیئے آنکھیں ۔۔۔ گہر نکال رے کوئی نہ جیب و داماں سے

جلو میں لاش کی قاتل بھی ہے پیادہ پا
کٹا کے سر کو چلے ہیں ہزار ساماں سے

حور، منا جان نامی طوائف شہر لکھنؤ کا تخلص تھا جو محمد رضا صاحب طور خلف مرزا اعظم بیگ قوم افشار باشندۂ لکھنؤ شاگرد برق سے اصلاح لیتی تھی اس طریقہ سے برق کا اور اُس کا زمانہ ایک ہی سمجھنا چاہیئے نمونۂ کلام یہ ہے۔

جو پہنا پاؤں میں سونے کا توڑا اے پری تو نے
مسلسل پا سے دیوانہ ہوا زنجیر آہن سے

بدی کی جس نے ہم سے ہم نے اُسکے ساتھ نیکی کی
ہماری خو یہ ہے ہم دوستی کرتے ہیں دشمن سے

حور (ط) بستی بیگم نام ایک مستورہ عصمت فروش دہلی میں تھی۔ ریختی گوئی کی طرف متوجہ تھی نمونۂ کلام یہ ہے۔ سنہ ۱۲۷۰ھ میں زندہ تھی

باغ میں جاؤ گے کب کیونکہ جہانگیر کہو
تم نے ٹھہرائی ہو جو مجھ سے وہ تدبیر کہو

اپنے خواہندوں کو ان سب نے کیا دیوانہ
نہ مجھے شیریں نہ لیلی نہ ملاگیر کہو

دوسرے شعر کے مصرعۂ ثانی کا قافیہ ملاگیر قصہ طلب ہے۔ دلّی میں میر مداری نام ایک زنانہ تھا جس نے دو چار نوچیاں رکھی تھیں اور

پیشہ عام جاری کر دیا تھا اُسی کی نوچیوں میں ایک نوچی کا نام ملاگیر بھی تھا۔ جو نہایت حسین بیرحم اور سفاک مشہور تھی۔ اکثر رؤسا اُس کے ہاتھ سے تباہ ہوئے۔ بعض کو اُسی کی وجہ سے مجبوراً تارکِ وطن ہونا پڑا

حور (ط) نوروز جان طوائف کا تخلص تھا جو ۱۲۸۹ھ میں کلکتہ میں مقیم تھی ایک شعر یادگار ہے۔

بعد میرے رحم آیا بھی تو کیا اے بیوفا
میں نے مانا قبر پر آئے تو کیا حاصل ہوا

حیا۔ چھوٹی طوائف شاگرد سید الطاف حسین سید مرزا پوری کا تخلص تھا اس سے پہلے بھی ان کی ایک شاگرد کا ذکر ہو چکا ہے وہیں سے ان کے سال حیات کو دیکھنا چاہیے یہاں صرف کلام دیکھیے۔

ہوا ہے ابر کا دم بند چشم گریاں سے
جلی ہے برق بھی کیا کیا نہ آہ سوزاں سے

حیا سے رات کے پردہ میں منہ چھپا بیٹھے
مقابلہ کو اُٹھے وہ جو ماہ تاباں سے

حیا۔ خورشید اقبال نام ہے۔ زمانۂ موجودہ کی خوشگو خوش خیال شاعرہ ہیں شعر و شاعری سے ذوق و شوق ہے اور بعض رسالوں میں آپکی غزلیں شایع ہوتی ہیں غزلوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاعری کی مشق اچھی ہے۔ زیادہ حالات معلوم نہیں ہوسکے لہذا صرف ایک غزل پر اکتفا

کی جاتی ہے۔

پھر چمن میں آج غنچے چاک داماں ہو گئے
پھر مرے جوشِ جنوں کے راز عریاں ہو گئے

قبر میں کافور تاریکی کے ساماں ہو گئے
داغہائے دل شکستِ رنگِ عصیاں ہو گئے

اس میں میں سیکڑوں گلزار پنہاں ہو گئے
کیا ہوا وہ پھول اگر کھل کر نمایاں ہو گئے

سونے والے جاگ اُٹھے محشر کے ساماں ہو گئے
آج شاید وہ سوئے گورِ غریباں ہو گئے

تو نے شاید کھو دیا شانہ دلِ صد چاک کا
میں ترے قربان کیوں گیسو پریشاں ہو گئے

کر دیا بیخود مجھے جلوہ دکھا کر آپ ہی
پھر مجھی سے پوچھتے ہو کیوں پشیماں ہو گئے

منتشر ہیں خیر اور بکھرے ہوئے ہیں دوش تک
آپ کے گیسو مرا حال پریشاں ہو گئے

اے حیا کہتے ہیں اسکو امتزاجِ حسن و عشق
ان کے جلوے میری آنکھوں سے نمایاں ہو گئے

حیا تخلص۔ جھورا بیگم عرف۔ حیات النساء نام تھا۔ شاہ عالم بادشاہ دہلی کی صاحبزادی اور شاہ نصیر مرحوم کی شاگرد تھیں شعر و شاعری کا ابتدائے عمر سے ذوق و شوق تھا۔ اور اسی شوق کی بدولت مزاج میں اسدرجہ وابستگی پیدا ہو گئی تھی کہ عمر بھر ناکتخدا رہیں اور بچپن جوانی بڑھاپا۔ ایک عالم میں گزارا غدر کے ہنگامہ سے پہلے عہد بہادر شاہ ظفر

ہیں انتقال کیا - اب ایک شعر یادگار ہے -

نہ کیوں حیرت ہو یارب وہ زمانہ آگیا ناقص

حیا ڈھونڈے سے نہیں ملتی برائے نام سو سو کوس

حیدری تخلص حیدری خانم نام تھا - بشارت اللہ خاں دہلوی مصاحب خاص بادشاہ دہلی کی اہلیہ تھیں شعر و سخن کا ذوق تھا - اور طباع تھیں ستر برس کی عمر پاکر عالم فانی سے غدر ۱۸۵۷ء سے کچھ پہلے راہی عالم باقی ہوئیں - ایک شعر چمن انداز وغیرہ میں ملتا ہے

حیدری نام ہے ترا کیا خوب　　　جو کہ تجھ سے پھرا وہ حیدر سے

خائے معجمہ

خاکساری - ایک پردہ نشین عفت گزین کا تخلص تھا - دہلی میں کشمیری دروازہ کے قریب رہتی تھی تخلص سب نے سنا تھا مگر نام کسی کو معلوم نہیں ہوا - اُس کے شعروں سے پتہ چلتا ہے کہ نہایت ہی عمدہ شعر کہتی ہوگی ۱۲۹۳ھ تک زندہ تھی -

مصیبتوں میں کوئی کام آ نہیں سکتا　　　کہ اپنے درد کو دل بھی بٹا نہیں سکتا

لکھا نصیب کا کوئی مٹا نہیں سکتا — کسی کے درد کو ہمدم بٹا نہیں سکتا

خفی تخلص تھا بادشاہ بیگم نام تھا۔ یوسف والی کے نام سے شہرت رکھتی تھی چھوٹی بیگم کی لڑکی تھی اور محمد یوسف سادہ کار کشمیری کی نواسی تھی۔ چھوٹی بیگم بلاک صاحب سے منسوب تھیں اُنھیں سے بادشاہ بیگم پیدا ہوئی تھیں اور پھر اسکی بھی کسی مشہور و معروف انگریز سے شادی ہوئی مگر میاں بیوی میں نباہ نہوا۔ یہ شاعرہ انگریزی فارسی دونوں زبانیں نہایت اچھی طرح جانتی تھی۔ نہایت اچھی خوشنویس تھی۔ اور بہت سے لوگوں کو اصلاح بھی دیتی تھی مگر اُنہی کو جن سے اُسکو بذات خود کوئی خاص تعلق ہوتا تھا اصلاح کا پیشہ عام نہ تھا مصنف چمن انداز لکھتے ہیں کہ ہیں نے اسکے ہاتھ کی انگریزی تحریر دیکھی نہایت عمدہ تھی۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ اسوقت وہ یہاں موجود نہیں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تذکرہ کی تصنیف تک وہ زندہ اور بخیریت تھی لہذا یہ کہنا نامناسب نہیں کہ ۱۲۹۳ھ میں وہ زندہ تھیں اب خدا معلوم ہیں یا نہیں —

خود شوق اسیری سے پھنسے دام میں صیاد — شرمندہ ترے ایک بھی دانہ کے نہیں ہم

جن سے ہم آشنائی کرتے ہیں ہم سے وہ بیوفائی کرتے ہیں
اے خفی اپنے اشک بے تاثیر مفت میں جگ ھنسائی کرتے ہیں

خورشید تخلص اور غالبًا یہی نام بھی تھا۔ دہلی کی ایک عصمت مآب سیدزادی تھی، ناکتخدا تھی اور مرثیہ وغیرہ بہت خوب کہتی تھی۔ ایک شعر اسکا تذکروں میں ملتا ہی مگر اسکے متعلق مصنف چمن انداز شبہ میں ہے کہ خدا معلوم اُسی کا کلام ہے یا اور کسی کا ہے۔ بہرحال نقل بعد نقل ہی

ای جذبۂ دل کیونکہ اجازت دوں میں تجھ کو
ہے سخت کشش تیری وہ ایسا نہ ہو ڈر جائے

خورشید (ط) خورشید جان طوائف کانپور کی رہنے والی کا تخلص ہے۔ محمد امین آمین کانپوری کی شاگرد تھی یہ دو چار شعر اس سے یادگار ہیں۔

اُس بُتِ کمسن کی شوخی بھی ادا سے کم نہیں
لیکے دل کو پوچھتا ہے کیوں ترا دل کیا ہوا
خون تو میر اگر یباں گیر ہے اے بے خودی
چھٹ گیا گر ہاتھ سے دامان قاتل کیا ہوا

ہم تڑپتے ہیں تو ہنس ہنس کے یہ فرماتے ہیں
کیا ہوا تھا یہ ترا درد جگر وصل کی رات

دال مہملہ

دلبر (ط) چھوٹی بیگم نام اکبر آبادی طوائف کا تخلص ہے تذکرۃ الشاعرات کے مصنف نے اس کو نہ اس فرقہ سے لکھا ہے اور نہ اکبر آباد کی رہنے والی کہا ہے بلکہ اُن کا خیال ہے کہ وہ حیدر آباد کی رہنے والی تھی مگر مصنف تذکرہ چمن انداز اور تذکرہ شمیم سخن دونوں اسی بات پر متفق ہیں کہ وہ فرقۂ بازاری سے تعلق رکھتی تھی۔ کچھ ہو یہ شاعرہ شعر کہتی تھی اور اس کے شعر زبان کی حد میں اچھے ہیں ملاحظہ فرمائیے۔

ہر روز جو تم روٹھ کے تیوری ہو بدلتے | بیجا تو ہمیں ناز اُٹھانا نہیں آتا
قسمت میں ہماری نہوا ہائے صد افسوس
اک روز لپیٹ کر شب مہتاب میں سونا

جو اک دن آپ پھر تشریف لائیں | رقیبوں کے گلے تم سے کہوں سب
دل ہمیں دو چار دن گر اپنا دو تم مستعار | اسکو سکھلائیں وفا ایسی کہ ہووے بیقرار

ہے چوکھٹ آپ کی اور سر ہمارا　　قیامت تک یہیں ٹکرائینگے ہم

اپنے آنے کی جو سناتے ہو　　شیخی ناحق یہ تم جتاتے ہو

اس پہ قسمیں جو تم یہ کھاتے ہو　　مدعا یہ کہ دِل لبھاتے ہو

لفظ رخصت زباں پہ لاتے ہو　　جان کو میری تم کڑھاتے ہو

رات کو گاہ گاہ آتے ہو　　اپنے کشتہ کو آ جلاتے ہو

دلبر مجھے اسواسطے لکھتی ہے یہ سب خلق

تا مجھکو تو دلبر ہی سمجھ کر کبھی آئے

دُلھن۔ نواب انتظام الدولہ کی صبیہ اور نواب آصف الدولہ سابق حکمران اودھ کی اہلیہ تھیں ۔ تذکرہ سراپائے سخن کی تیاری کے وقت فیض آباد میں تھیں نہایت نیک دل نیک مزاج ۔ مردانہ صفات خاتون تھیں شعر و شاعری سے ایک خاص دلچسپی تھی۔ چند شعر انتخاباً درج تذکرہ کئے جاتے ہیں ۔

بیاں میں کس سے کروں جاکے اب گلا دل کا

یہ دل کا دل ہی میں ہوویگا فیصلہ دِل کا

بہا ہے پھوٹ کے آنکھوں سے آبلہ دل کا

تری کی راہ سے جاتا ہے قافلہ دل کا

جہاں کے باغ میں ہم بھی بہار رکھتے ہیں

مثال لالہ کے دل داغدار رکھتے ہیں

ایسے کم ظرف نہیں ہیں جو بہکتے جائیں — گل کے مانند جدھر جائیں مہکتے جائیں

مت کرو فکر عمارت کی کوئی زیر فلک — خانۂ دل جو گرا ہو اُسے آباد کرو

دن کٹا فریاد سے اور رات زاری سے کٹی

عمر کٹنے کو کٹی پر کیا ہی خواری سے کٹی

ذال معجمہ

ذلیل - مرزا سلیمان شکوہ بہادر کی کنیز تھی - اگرچہ اس کا نام نوبہار تھا - مگر تخلص کو ملحوظ رکھتے ہوئے اشعار نہایت فحش کہتی تھی دو شعر حاضر ہیں —

میں فرشتہ کی بھی سنتی نہیں ناصح کیا ہے — اپنے کرتوت پہ جس دم کہیں آجاتی ہوں

تم سے اللہ رکھے اپنی اماں ہیں تم تو — ہم سی پریوں کو بھی دیوانہ بنا لیتے ہو

رائے مہملہ

رابعہ۔ ایک خاتون کا نام ہے یہ شاعرہ کسی ڈاکٹر کی صبیہ اور کسی حکیم کی اہلیہ تھی کشیدہ کاری میں درک تامہ رکھتی تھی۔ نام و مقام کچھ معلوم نہو سکا۔ اسی وجہ سے صرف ایک شعر پر اکتفا کرتا ہوں۔ مگر تعجب ہے کہ بالکل یہی شعر راویہ کے یہاں ہی نہیں معلوم ان کا کہا ہوا ہی یا اُن کا ؎

ہوتی نہ محبت تو یہ آزار نہوتا دل عشق کے صدموں سے خبردار نہوتا

رعنائی۔ قدسیہ بیگم ایک عورت دہلی کی رہنے والی تھی ایک شعر ریختی کے انداز میں ملا جو درج ذیل ہے ؎

میں جانتی تھی آنکھ لگی دل کو سکھ ہوا کمبخت کیسی آنکھ لگی اور دُکھ ہُوا

راویہ۔ دلی سیتا رام کے بازار میں کوئی چھیپی رہتا تھا اُس کی لڑکی کا تخلص تھا۔ نہایت عمدہ شعر کہتی تھی۔

ہوتی نہ محبت تو یہ آزار نہ ہوتا دِل عشق کے صدموں سے خبردار نہوتا

دے اپنی محبت مجھے اے یار خدایا ولہ کر دُور دل زار کا آزار خدایا

الٰہی سب گنہ سے پاک کر کر ولہ مجھے لیجائیو جنّت کے در پر

زائے معجمہ

زہرہ (ط) شاہ دہلی کی گائنوں میں ایک عورت باکمال

نصیبن نامی تھی جسکو بادشاہ کے یہاں سے زُہرہ کا خطاب ملا۔ چونکہ شعر و شاعری سے ایک ذوق فطری تھا اُس نے اُسی سے تخلّص کا کام لیا۔ غدر کے قبل زندہ تھی۔ اب ایک دو شعر کے سوا کچھ بھی نہیں ہے سُنیے

بوسہ دینگے نہ دہن تجھے زہرہ — مُنہ لگاتا ہے کون سائل کو

دل کہے میں ہو تو کاہیکو کوئی بیتاب ہو — ساغر خوں کس لیے یہ دیدۂ پُرآب ہو

باغ ہو آب رواں ہو اور شب مہتاب ہو — ساقیٔ مہوش ہو مے ہو جلسۂ احباب ہو

زہرہ (ط) انبالہ کی ایک مجبوبہ بازاری تھی جو بعد غدر دہلی میں آکر رہی تھی۔ اپنی ایک غزل ترتیب چمن انداز کے وقت مصنف کو خود ہی مرحمت کی تھی نقلاً بعد نقل میں بھی لکھتا ہوں۔

آؤ جی آؤ خدا کے واسطے — رحم فرماؤ خدا کے واسطے

زلفیں سلجھاؤ خدا کیواسطے — جی نہ اُلجھاؤ خدا کیواسطے

یہ تمھارا جان نثار اب مرچلا — دیکھتے جاؤ خدا کیواسطے

جب گئے گھر اُن کے تو کہنے لگے — جاؤ جی جاؤ خدا کیواسطے

جان جاتی ہے تمھارے ہجر میں — اب لپٹ جاؤ خدا کیواسطے

غیر سے مل کر نہ چار آنکھیں کرو — کچھ تو شرماؤ خدا کیواسطے

چال ٹکڑانے کی اے جان مت چلو — راہ پر آؤ خدا کے واسطے
لو وہ آتے ہیں کوئی کہتا نہیں — اب نہ گھبراؤ خدا کے واسطے

کیوں ہو زہرہ سے خفا اے ماہرو
کچھ تو بتلاؤ خدا کے واسطے

زہرہ (ط) تخلص منی نام تھا۔ حسن فروشی پیشہ عام تھا۔ اصل وطن کشمیر تھا۔ مگر آب و دانہ کلکتہ کے بازار میں کھینچ لایا تھا نہایت خوبصورت خوش سیرت تھی۔ اپنی موزونی طبع کی وجہ سے کبھی کبھی شعر بھی موزوں کرتی تھی۔ اور مولوی عبدالغفور نساخ مولف تذکرہ سخن شعرا سے اصلاح لیتی تھی۔ بارہ سو اکانوے تک زندہ تھی۔ کلام یہ ہے

دیکھکر جو رنگ دل ہے عاشق دلگیر کا — سبزۂ رخسار سبزہ ہے مگر شمشیر کا
دل ہمارا درد کا پتلا بنا اے برہمن — ہے تصور صبح دم جو اُس بت بے پیر کا

ہے جو غنا و رقص کا چرچا بسنت میں — ہنڈول کی بہار رہی ہر جا بسنت میں
اب نغمہ بہار جو ہوتا ہے گوش خورد — جوشِ جنوں ہوا ہی زیادہ بسنت میں

کیا کسی مہوش کا زہرہ اس کو بھی ہے انتظار
دیدۂ عاشق کی صورت ہے جو بیدار آئینہ

ولہ

درد و غم فراق سے شب کو ہوئی جو بے کلی
دل کی کشش کشاں کشاں اُسکی گلی میں لے چلی
روتے ہیں سر پٹکتے ہیں زندگی اک عذاب ہے
جب نہ ملے وہ جانِ جاں کیوں نہ ہو دلکو بے کلی
ہجر میں تیرے گلبدن وقف الم ہے جان و تن
بستر خار سے فزوں مجھ کو ہے فرش مخملی

زہرہ (ط) مسماۃ لطیفن کرنال کی رہنے والی طوائف کا تخلص تھا۔ یہ ایک نہایت ذکی عورت تھی فارسی کا مذاق اس میں نہایت اچھا تھا۔ شعر دلکش کہتی تھی۔ نثر کے فقرے بھی خوب تراشتی تھی۔ منشی ظہور علی ظہور جو ریواڑی ضلع گوڑگانوہ کے کسی اسکول میں مدرس تھے۔ اس کے استاد تھے ۱۸۷۵ء میں انتقال کیا۔ مولوی ذوالفقار حسین غنی نے اسکی تاریخ وفات لکھی ہے جسکو میں بھی لکھتا ہوں۔

کم از کم اس سے اُس کے علم پر ایک ہلکی سی روشنی پڑتی ہے اور شاعر کی بذلہ سنجی بھی ظاہر ہوتی ہے ۔

لطیفا آن زن علامۂ دہر — شنیدستم کہ مُرد آن ماہ ثانی
سخن فہم و سخن سنج و سخنور — بہ مفتونان نمودی مہربانی
لطیفہ گاہ بذلہ گاہ شعری — چنان میداد داد زندگانی
دریغا آن گل گلزار خوبی — دریغا آن گل باغ جوانی
بہ پیری کوہ مرگ او کشیدہ — اجل قطعش نمودہ زندگانی
ہزار افسوس بر تنہائی او — ہزار افسوس بر بے خانمانی
بیامرزاد او را رحمت حق — مبادا ورا عذاب آنجہانی
غنی می جست از پیر خرد سال — ندا آمد دریغا از جوانی
۱۲۹۳ھ

اس قطعہ سے بہت کچھ اُس کے حالات پر روشنی پڑتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت کے سخنور بھی اُسکی قدر کرتے تھے اب کچھ نمونہ کلام ملاحظہ فرمائیے ۔

دو پر تو کیا تجھے ہوتے اگر دو ہزار پر — پروانہ کرتا شمع پہ سارے نثار پر
وہ رقیب روسیہ بیٹھا ہو کیا دلبر کے پاس — ہے مگر یارو سیہ یا روبہ گنج زر کے پاس
ولہ

پاس مسکت کے دھرا ہی کیا نہ اس طرح — جس طرح پتھر دھرا ہو شے کوئی پتھر کے پاس

اشک تو یوں ہرگز نہ نکلے جب تلک ہو وے نہ درد — ہر کسی کے غم میں تو آخر یہ گوہر بار شمع

نہ بزم میں کوئی دلسوز ہوا گر اپنا — جلے وہ بزم لگے ایسی انجمن میں آگ

غضب ہے طعن کیا اُسنے آج اے زہرہ
لگے الٰہی دل و جان طعنہ زن میں آگ

زہرہ (ط) امراؤ جان نام تھا۔ بازار چوک لکھنؤ میں قیام تھا۔ میر آغا علی شمس شاگرد قاضی محمد صادق خان اختر کی شاگرد تھی بعض لوگ کہتے ہیں کہ آغا علی شمس کا مشتری۔ اور زہرہ کی والدہ سے تعلق تھا اسی وجہ سے ان دونوں کی تعلیم و تعلم میں کافی حصہ لیتے تھے بلکہ بعض تذکروں میں لکھا ہے کہ ان دونوں کی وجہ سے آغا علی شمس کے دوسرے شعرائے معاصرین سے جھگڑے بھی ہوئے جنھیں میں بوجہ اختصار نظر انداز کرتا ہوں اور صرف زہرہ کا کلام لکھتا ہوں ۔

حیا سے نہیں وہ جو آنے کے قابل — تو ہم خوف سے کب ہیں جانیکے قابل

کرو خون سے میرے تم ہاتھ رنگیں — یہ مہندی ہے صاحب لگانیکے قابل

رہے عمر بھر قید کنج قفس میں — کہاں بال و پر ہم ہلانیکے قابل

سکندر کو دی آبرو تمنے صاحب ہوا آئینہ منھ دکھانے کے قابل

رقیب سیہ رو کو نامہ نہ لکھو وہ حرف غلط ہے مٹانیکے قابل

لہو میں ہیں تر شرم سے دست مرجاں نہیں تم سے پنجہ ملانے کے قابل

عبث وصل جاناں کے بھوکے ہیں عاشق غم و رنج فرقت ہے کھانے کے قابل

مفصل کہوں ماجرا حاسدوں کا جو ہوں جمع سارے زمانے کے قابل

نہ کہہ زہرہ اسکی غزل پر غزل تو
کہ سوزاں نہیں منھ لگانے کے قابل

سوزاں منشی حبیب الدین صاحب سے مراد ہے جو نہایت ہی مشہور و معروف لکھنوی شاعر تھے۔ آغا علی شمس نے زہرہ و مشتری دونوں سے ان کی اکثر غزلوں پر غزلیں کہلائیں جو بہت سی اودھ اخبار میں بھی شائع ہوئیں اور اور جگہ بھی چھپیں۔

زہرہ ایک باوضع اور حاضر جواب معشوقۂ طرار تھی۔ ایک مرتبہ لکھنؤ کے ایک رئیس متخلص محزوں اسکے مکان پر گئے تو زہرہ نے چھیڑنے کے طریق پر یہ مصرع پڑھا ؎ سیر فلک کو ہم کبھی تنہا نہ جائینگے ۔ یہ بھی شاعر تھے سن کر چپ نہ رہا گیا فوراً دوسرا مصرع لگایا ؎ زہرہ کے ساتھ

جائینگے یا مشتری کے ساتھ؟ حاضر جواب بذلہ سنج زہرہ سُن کر اُچھل پڑی اور مجروں صاحب کا مُنہ چوم لیا۔ آخر میں سُنا ہے کہ زہرہ نے اس پیشہ کو چھوڑ کر کسی شریف کے ساتھ نکاح کر لیا تھا۔ زہرہ کا کلام ملاحظہ فرمائیے۔

دل میں تجھ کو پری لقا سمجھا ۔۔۔ زلف کو تیری میں بلا سمجھا

تو نے ہر ایک کی سُنیں باتیں ۔۔۔ میرا مطلب بھی کچھ بھلا سمجھا

اپنی اپنی ہر ایک کہتا ہے ۔۔۔ کوئی میرا نہ مدعا سمجھا

تیرے آنے کو اے صنم واللہ ۔۔۔ درد کی اپنے میں دوا سمجھا

سب مرا حال سُنکے ہیں پُر غم ۔۔۔ تو نہ کچھ یا رب بے وفا سمجھا

میں نے واللہ دی دعا تجکو ۔۔۔ تو خدا جانے دل میں کیا سمجھا

ہائے بے فائدہ خراب ہوا ۔۔۔ عشق کی میں نہ انتہا سمجھا

بدگماں تجھ سے یار ہے زہرہ
شکر کو تیرے وہ گِلا سمجھا

ہم سے سخنِ عجز سنا یا نہیں جاتا ۔۔۔ ہم سے کسی روٹھے کو منایا نہیں جاتا

صد شکر کہ طفلی سے جوانی کا سن آیا ۔۔۔ اب ہم سے ترا ناز اُٹھایا نہیں جاتا

ہوتا نہیں کچھ کام بھی اس پردہ نشیں سے ۔۔۔ آیا نہیں جاتا تو بلایا نہیں جاتا

ہم معرکۂ عشق میں شیر نہ کھڑے ہیں
میدان سے اب پانوں ہٹایا نہیں جاتا

دیوانہ ہو جو کوئی مرے حسن پری پہ
ناجنس سے دل اپنا لگایا نہیں جاتا

کچھ آج عجب حال ہے سینہ میں جگر کا
سامان اب اچھا ہمیں پایا نہیں جاتا

کیا روز قیامت میں زباں اپنی میں کھولوں
بگڑی ہوئی باتوں کو بنایا نہیں جاتا

میں بندۂ نا چیز وہ ہیں حسن کے سلطاں
زہرہ انھیں گھر اپنے بلایا نہیں جاتا

سو بوسے گر دیے ہیں تو دنبال دیجئے
تسبیح میں ضرور ہیں دانے شمار کے

زینب دیٹا بگن طوائف لکھنؤ کی رہنے والی تھی جو آخر میں کلکتہ جا رہی تھی میر اصغر علی صاحب اصغر سے اصلاح لیتی تھی اور بہ صورت خوب کہتی تھی چند شعر حاضر ہیں۔

کیا کہوں چپ چپ ہوں میں شہر خموشاں کے مقیم
کوئی بتلاتا نہیں منزل بمنزل کیا ہوا

ہم ہیں نا واقف نہ ہم سے اٹھ سکی سختی ہجر
تجربہ کاروں سے پوچھو وقت مشکل کیا ہوا

اجل جو حسرت بوس و کنار میں آئی
چمٹ کے لاش کو قاتل نے خوب پیار کیا

جنوں کے ہاتھ سے دامن سجا کے رکھا تھا ۔ پسٹ کے دشت میں کانٹوں نے تار تار کیا

زینت (ط) تخلص ۔ زینت بیگم نام دہلی کی ایک شاہد بازاری تھی ۔ مرزا ابراہیم بیگ مقتول کی محبوبہ تھی ۔ اور انھیں کے ساتھ دہلی سے لکھنؤ چلی گئی تھی ۔

شب مہتاب میں تا صبح زینت ۔ خیال ماہرو ہے اور ہم ہیں

ولہ

ہے نالہ و زاری کا مرے شور فلک تک ۔ پردہ بت مغرور کوئی کان دھرے ہے

زائے فارسی

ژاژ ۔ اس تخلص کی کوئی بازاری عورت تھی ۔ ایک شعر اس کا موجود ہے ۔

ژاژ گوئی سے تو پیارے باز آ ۔ ورنہ پچتائیگا سن کہتی ہے ژاژ

سین مہملہ

سائرہ ۔ یہی تخلص ہے اور یہی نام معلوم ہوتا ہے زمانہ حال کی

ایک خوش فکر شاعرہ ہیں ایک نظم بہ عنوان "تحیر منفعل" ہماری نظر سے گزری جو نہایت عمدہ ہے اسی کو نقل کئے دیتے ہیں۔

ستم ہے شرط آئین محبت میں نہ سمجھی تھی

ارے ان حسن والوں کی شریعت میں نہ سمجھی تھی

مجھے رو دینگی اک دن شام فرقت میں نہ سمجھی تھی

مجھے دنیا سے کھو دے گی محبت میں نہ سمجھی تھی

تمہاری سادگی تصویر خاموشِ مسرت تھی

جوانی آئے گی بن کر قیامت میں نہ سمجھی تھی

پشیماں ہو رہی ہوں شکوۂ جور و جفا کرکے

کوئی ہوگا پشیمانِ شکایت میں نہ سمجھی تھی

اُسے جانے نہ دیتی جذب کرکے دل میں رکھ لیتی

بہارِ باغ کا رنگِ طبیعت میں نہ سمجھی تھی

سمجھ لیتی تو پھر کیوں عاشقی میں دقتیں ہوتیں

یقیناً دل کا اندازِ محبت میں نہ سمجھی تھی

رموزِ عاشقی حسنِ دل افزا نے سکھائے ہیں

نہ سمجھی تھی محبت کی حقیقت میں نہ سمجھی تھی

تری گلیوں میں مٹ کر موت کے دن کاٹ دیتی ہیں
تری گلیوں سے اٹھے گی قیامت میں نہ سمجھی تھی

سمجھ رکھا تھا میں نے اختیاری ولولہ دل کا
تمھارے ہاتھ میں ہے میری قسمت میں نہ سمجھی تھی

شبِ خلوت ستاروں نے بہت لوٹے ترے جلوے
ترے حسنِ شب آرا کی حقیقت میں نہ سمجھی تھی

محبت تھی نشاطِ زندگانی وہ بھی کیا دن تھے
کہ آفت تم نہ سمجھے تھے مصیبت میں نہ سمجھی تھی

نظر ملتے ہی کچھ محجوب ہے وہ بیوفا مجھ سے
نگاہوں سے بھی ہوتی ہے شکایت میں نہ سمجھی تھی

کسی کو خواب میں بے چین کر ڈالا خیالوں نے
خیالوں میں بھی ہوتی ہے یہ قوت میں نہ سمجھی تھی

گنہ کیوں سر پہ لیتی سائرہ حسن تماشا کا
مجھے یوں مست کر دیگی محبت میں نہ سمجھی تھی

ستم (ط) بگا طوائف بنارس کی رہنے والی کا تخلص تھا۔ حسن خود نما کی اُمنگیں بنارس سے پٹنہ لے گئی تھیں کبھی کبھی شعر بھی کہتی تھی۔ ملاحظہ فرمایئے۔

کشتنی کون ہے اے دل نگہ یار میں آج ۔۔۔ تیغ سنتا ہوں کہ ہے دست ستمگار میں آج

ضعف کہتا ہے قدم یاں سے نہ آگے رکھنا ۔۔۔ شوق کہتا ہے کہ رہ کوچۂ دلدار میں آج

سردار۔ سردار بیگم نام لکھنؤ کی رہنے والی تھیں ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ غدر کے بعد بیوہ ہو کر پہلے کانپور اور پھر قنوج چلی گئیں اور پھر اٹاوہ گئیں اور وہیں عمر بھر رہیں مگر معلوم نہیں کہ کیا افتاد پڑی کہ اپنی بیٹی مسماۃ کاظمی بیگم کو ناچ اور گانے کی تعلیم دینی شروع کی اور باقاعدہ ایک ڈیرہ دارن کر وہ سب باتیں شروع کردیں جو ایک طوائف کرسکتی تھی عجیب لطف یہ ہے کہ یہ خود بالکل ناخواندہ تھی مگر موزونی طبع کی بدولت شعر کہتی تھی اور چونکہ خود لکھ نہ سکتی تھی اس لئے اپنے کہے ہوئے شعر دوسروں سے لکھوا لیتی تھی۔ ایک شخص کے ساتھ دہلی چلی آئی تھی مصنف تذکرہ چمن انداز لکھتے ہیں کہ میں نے اس کو دیکھا تھا یہ ایک نہایت ہی بات کی پکی اور سچی عورت تھی اور جو کچھ زبان سے کہہ دیتی تھی اس کو ہمیشہ پورا کرنے کی

کوشش کرتی تھی کچھ نہ کچھ اس آوارگی میں بھی شرافت کی بو اُس میں موجود تھی۔ یہ شعر اُسی کے ہیں۔

لگایا میں نے جو تم سے دل کو تمھارے دل پر نہاں نہوگا
اُٹھاسے صدمے ہیں جتنے میں نے جہاں میں کسپر عیاں نہوگا

ہے خوف مجھ کو اکیلے گھر کا کہ ہوگا واں پر گزارہ کیونکر
مدد کو میری جو لطف یزداں ندیم و ہمدم وہاں نہوگا

لگایا گل سے جو دل کو تو نے سمجھ لے دل میں یہ اپنے بلبل
ہیں چندروزہ بہار کے دن یہ گل تو روزِ خزاں نہوگا

بہت کتابیں پڑھی ہیں تم نے یہ مانا ہم نے بھی شیخ صاحب
چھپا ئیہم سے نہ حال دل کو نہاں یہ عشق بتاں نہوگا

یہ کیا ہے سردار تجھکو دہشت شفیع ہوں گے رسول داور
جو زلزلہ سے بروزِ محشر زمیں نہوگی زماں نہوگا

وہ تو ہمارا لیگئے بیٹھے بٹھائے دل — ہرگز نہ کوئی آپ سے اپنا پھنسائے دل
آتی نہیں ہے نیند شب ہجر میں مجھے — ہے کوئی ایسا اُس سے مرا پھیر لائے دل
فریاد کر رہا ہوں میں گھڑیال کی طرح — یارب وہ خود جلے جو ہمارا جلائے دل

بے جرم مجھ کو یار نے مارا ہے دوستو　　اب دل ہی دل میں کہتا ہوں ٹوٹا ہے دل

سردار روز حشر کو اُٹھکر کہے گی یہ
عاشق کہاں سے سنگ کا اپنا بنائے دل

دل مرا اُٹھ گیا زمانہ سے　　موت آئے کسی بہانہ سے

نہ لگی پھر آنکھ سحر تلک مجھے یاد اپنی دلا گئے
مرے پاس سے وہ چلے گئے مرے دل کو لیکے ہلا گئے

بیاں میں کیا کروں تم سے نہایت بیقراری ہے
پھنسا ہے دل مرا اُس سے مجھے اب زیست بھاری ہے

کڑی منزل بہت ہیگی مجھے اب زیست بھاری ہے
وہاں کیونکر گزر ہوگا یہاں اب اشک جاری ہے

اندھیری گور ہووے گی نہ کوئی دوسرا ہوگا
ملے گا وہ صنم کیونکر مجھے اب انتظاری ہے

فرشتے آکے پوچھینگے کہو سردار سوتی ہو؟
پڑھو کلمہ محمد صلعم کا چلو اب فضل باری ہے

سلطان تخلص اور سلطان بیگم نام تھا۔ نواب معتمد الدولہ بہادر لکھنوی

کی صاحبزادی تھیں۔ سُنا ہے کہ صاحب دیوان تھیں۔ مگر مصنف تذکرۂ الشاعرات کو اسکے متعلق ایک شک ہے۔ مصنف چمن انداز نے کلام بھی زیادہ دیا ہے اور کوئی شک بھی نہیں ظاہر کیا۔ یہ عفیفہ قبل غدر زندہ تھیں اب صرف اتنا سا کلام زندہ ہے

کبتک ستم تیرے ہجر کے صدمے اُٹھائے دل ۔۔۔ ڈر ہے یہی کہ جان سے اپنی نہ جائے دل

قاتل نے کب کہا تھا کہ آنکھیں لڑائے دل ۔۔۔ آخر یہ میری جان پہ آئی بلائے دل

تھی وہ نگاہ یا کوئی ناوک کا تیر تھا ۔۔۔ ملتے ہی آنکھ رہگیا میں کہکے ہائے دل

سینہ اگر ہے داغوں سے معمور کیا ہوا ۔۔۔ خالی ہے تیرے واسطے عشرت سرائے دل

سلطاں غزل اک اور بدل کر ردیف لکھ
پر شرط ہے کہ لفظ گل آئے بجائے دل

ہم تو عاشق اُسی کے ہو بیٹھے ۔۔۔ دل سے صبر و قرار کھو بیٹھے

صورت اُس کی نظر نہ آئیگی ۔۔۔ دل ہی دل میں کڑھا کرو بیٹھے

لگایا گل سے جو دل کو تو نے سمجھ لے دل میں یہ اپنے بُلبل
ہیں چند روزہ بہار کے دن یہ گل تو روزِ خزاں نہو گا

نہ لگی پھر آنکھ سحر تلک مجھے یاد اپنی دلا گئے[1] ۔۔۔ مرے پاس سے وہ چلے گئے مرے دلکو لیکے ملا گئے

[1] یہ شعر سردار کے یہاں بھی ہے۔

شوخی خاندان تیموریہ کی ایک معزز خاتون تھی۔ مصنف تذکرۂ جمیل کا بیان ہے کہ قبل غدر شباب کا عالم تھا اور نہایت عمدہ شعر کہتی تھی غدر کے بعد بھی ایک عرصۂ دراز تک زندہ و سلامت رہی دو ایک شعر یادگار ہیں جو درج کیے جاتے ہیں۔

شور ہے اسکی بیوفائی کا — بس نہیں چلتا کچھ رسائی کا
دام زلف سیاہ ارے توبہ — نہ بنا ڈھب کوئی رہائی کا

شین معجمہ

شباب (ط) تخلص حسین باندی نام تھا۔ محمدی جان حنا کی چھوٹی بہن تھی سید الطاف حسین شیدا مرزاپوری کی شاگرد تھی جن کا اس سے پہلے ذکر اسی تذکرہ میں آچکا ہے۔

اللہ رے اشتیاق کسی کا پس فنا — آنکھیں کھلی ہیں دیدۂ بیدار کی طرح
تیور اُدھر چڑھے تو ادھر ہم ہوئے فنا — نازک مزاج ہم بھی ہیں سرکار کی طرح

شباب (ط) محمدی جان طوائف باشندۂ کلکتہ کا تخلص تھا۔ خوش رو اور خوش خو تھی طبیعت میں جودت اور ذہانت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی نہایت عمدہ شعر کہتی تھی ۱۸۹۵ء تک زندہ تھی یہ شعر یادگار ہیں۔

آج کسکی دلربائی نے دیا تجھ کو فریب — ہو گیا ہی بیخودی میں محو ایدل کیا ہوا

ہو گئی ہے زندگی آخر گناہوں میں مری — ہاتھ خالی ہی مرا زادِ سفر کچھ بھی نہیں

ان کی باتوں میں خدا کیلئے آنا نہ شباب — یہ حسینانِ جہاں کس سے وفا کرتے ہیں

حسرتیں دلمیں ہیں خواب میں ہے وہ مہ وصل — یا خدا میں اُسے بیدار کروں یا نہ کروں

بوسے شوخی سے دکھا کر مجھے زلفیں اپنی — اسمیں ہیں تجھ کو گرفتار کروں یا نہ کروں

سر سے پا تک جو ہو نور کے سانچے میں ڈھلا — اے شباب اُسکو بھلا پیار کروں یا نہ کروں

عشق میں جان کے دشمن کو مسیحا سمجھے — اور پھر دلمیں سمجھتے ہیں ہم اچھا سمجھے

بھیج دے گر ملک الموت کو بالیں پہ کوئی — تیرا بیمار اُسے رشک مسیحا سمجھے

کچھ رحم کرتی ہی شبِ فرقت میں تیری یاد — کچھ مہربان ہجر میں تیرا خیال ہے

ہنس کر رُلا دیا کبھی رو کر ہنسا دیا — اے فتنہ ساز دونوں میں تیرا کمال ہے

شبنم۔ زمانۂ حال کی ایک خوش بیان کا تخلص ہے جس کے نام اور وطن کا مجھے کوئی پتہ نہیں۔ کلام میں جودت طبع کے آثار موجود ہیں۔ بعض رسائل میں آپ کی غزلیں شائع ہوا کرتی ہیں ایک غزل نقل کرتا ہوں

تاثیر تجھے جذبۂ دل ہی یہ دکھانی — اقرارِ محبت وہ کریں اپنی زبانی

جو دلمیں اُمنگیں تھیں ہوئیں غم سے وہ مدھم — بجھتا ہوا شعلہ ہے مرا عہدِ جوانی

دلچسپ ہیں اسدرجہ یہ قدرت کے مناظر — وہ صبح کی نیرنگیاں وہ شام سہانی

تر آنسوؤں سے یونہی رہیگا مرا دامن — کم ہوگی نہ ہرگز یہ مری اشک فشانی

کیا جانے خیال آگیا کس بات کا ہمکو — رو کے سے جو رکتی نہیں اشکوں کی روانی

اللہ اُٹھائے نہ کوئی ایسی مصیبت — جو راہ محبت میں پڑی مجھکو اُٹھانی

وہ تازگی باقی نہیں اب طبع رواں میں — پھر جائیگا کیا میری تمناؤں پہ پانی

جذبات کا ہنگامہ ہو برپا مرے دل میں — کیوں آج تلاطم میں ہو یہ بحر معانی

گھبرائیگا ہمدم مرے افسانۂ غم سے — دل جس سے بہلتا ہو نہیں ہے وہ کہانی

جبتک نہ گزر جائینگے ہم جان سے اپنی — تو ظلم کو چھوڑیگا نہ لے ظلم کے بانی

یاد آتی ہیں اُس حسن کی سہائیاں مجھکو — پوشاک کسی کی نظر آتی ہے جو دھانی

پھرتی ہیں مری آنکھوں میں ہر وقت وہ آنکھیں
شبنم مجھے مشکل ہوئی اب جان بچانی

شرارت (ط) تخلص اللہ دی نام ہے غازی آباد ضلع میرٹھ مولد تھا۔ مسکن دہلی ہے یہ ایک ڈیرہ دار طوائف ہے۔ نہایت مشہور و معروف حسین اور خلیق ہے راقم الحروف نے تقریبًا سنہ ۱۹۱۰ء میں اس کو دیکھا تھا وہ زمانہ اس کے شباب کا تھا۔ اور اُس زمانہ میں بابو چندی پرشاد

رشید دہلوی کو غزلیں دکھاتی تھی اس کے بعد سنہ ۱۹۱۰ و سنہ ۱۹۱۱ء میں رسالہ جلوۂ یار میرٹھ میں بھی اسکا کلام نظر سے گزرتا رہا۔ زبان کے شعر خوب ہوتے ہیں ملاحظہ فرمائیے۔ اللہ دی کی عمر تخمیناً اب چالیس پینتالیس برس کی ہوگی۔

خدا گواہ ہے سب کو جتائے دیتے ہیں ‏ ‏ ‏ ہم انکی چاہ میں خود کو مٹائے دیتے ہیں

نشیلی آنکھیں ہی کافی ہیں مجھکو ای ساقی ‏ ‏ ‏ یہ دو پیالے ہی بیخود بنائے دیتے ہیں

شب وصال ہیں غیروں کا چھیڑ کر قصہ ‏ ‏ ‏ ہنسی ہنسی میں وہ مجھکو رلائے دیتے ہیں

وہ آئیں بے سر و سامانیوں کے صدقے میں ‏ ‏ ‏ ہم ان کیواسطے آنکھیں بچھائے دیتے ہیں

بڑھی ہوئی ہے نقاہت ہجو رو گریہ ہیں ‏ ‏ ‏ ہمارے اشک ہی ہمکو بہائے دیتے ہیں

بڑھے ہیں سوز جگر سے یہ نالہائے دل ‏ ‏ ‏ شرر فشاں ہیں یہ شعلے جلائے دیتے ہیں

چلے تھمنے ہیں شرارت وہ اپنے نالۂ دل

کہ مہر حشر کو لو کا لگائے دیتے ہیں

نذر قاتل ہوگئی ساری کی ساری زندگی ‏ ‏ ‏ اس لئے روز ازل سے تھی ہماری زندگی

وصل ناممکن ہوا اُٹھتا نہیں ہے ہجر یار ‏ ‏ ‏ ہوگئی ہے ان دنوں بے اختیاری زندگی

ہوگیا ہے شوق آسیب بازار سود لئے جنوں ‏ ‏ ‏ لگ گئی قسمت کو اک غفلت شعاری زندگی

کٹ رہے ہیں آجکل فرقت میں راتیں اس طرح ‏ ‏ ‏ اشکباری زندگی ہے بیقراری زندگی

واہ کیا لذت ہی تجھ میں حبا ای شوقِ قتل
تیغ جاناں کی محبت ہی پیاری زندگی

اک گل خوبی کی الفت نے دکھایا یہ اثر
داغ دل سے سنگئی پھولونکی کیاری زندگی

خواب ہی سونے کا ای غافل ترا عہد شباب
نوجوانی کی ہے اک بادِ بہاری زندگی

دیکھیے انجام کیا ہو ہجر جاناں میں مرا
موت کی گھڑیاں گراں ہیں مجھکو بھاری زندگی

اے شرارت ابروِ جاناں کی ہو الفت نہیں
کٹتی ہے تیغِ دودم پر اب ہماری زندگی

دوائے دردِ سر یارب ملے گر یوں تو بہتر ہو
کسی بے درد کا در ہو کسی کم بخت کا سر ہو

چلن تلوار سے بڑھکر ہو فتنے پانوں پڑتے ہوں
بپا ہر ہر قدم پر آپ کی ٹھوکر سے محشر ہو

تبسم سے خضر کی آبرو پر پھیر دو پانی
ہوا سے جنبش لب میں نسیم روح پرور ہو

وہ ہنستے کھلکھلاتے فاتحہ پڑھنے کو ہم نکلیں
بچھا سہرے تربت عاشق پران پھولونکی چادر ہو

بہم دست و گلو ہوں یار سے پیتے پلاتے ہوں

جلائیں گھی کے ہم اُس رات گر یہ دن میسّر ہو

بنا رکھا ہے پُتلا جور کا اُس مُحسن ظالم نے

جفا پرور جفا گستر جفا جو ہو ستمگر ہو

کبھی کچھ ہے کبھی کچھ ہے عجب نیرنگِ دُنیا ہے

شرارت جان کر یہ کس لئے پھر تم مُکدّر ہو

شرارت (ط) تخلّص۔ امیر جان نام۔ چھوٹے خان کنچن دہلی کے رہنے والے کی لڑکی تھی۔ گانے ناچنے میں اچھا خاصہ کمال حاصل کر لیا تھا۔ میاں امیر خان متخلص بہ مُنیر اکبر آبادی سے تلمذ رکھتی تھی۔ متھرا، آگرہ۔ ٹونک وغیرہ میں بھی رہی تھی چند شعر اُس کے درج کیے جاتے ہیں جن سے اُسکی ذہانت اور طباعی کا پتہ چلتا ہے۔

ایسی مجھ پر رات مشکل فرقتِ قاتل سے نے کی

ساتھ میرے صبح مر مر کر مری مشکل سے نے کی

آرزو سے بوسہ گرداں ہیں کسی سائل سے نے کی

ہو گئی تدبیر در پردہ لب اُس کے سِلنے کی

سیکڑوں منزل عدم سے آگے وحشت لے گئی

خاک اب عنقا کرے گا فکر میرے سے ملنے کی

دور تھی لیکن ہمارے ضعف پر کچھ رحم کر
پیشوائی سیکڑوں منزل مری منزل نے کی

بس نہیں چلتا ہے یارب کیا کریں مجبور ہیں
جو نہ کرنی تھی ہمارے ساتھ وہ اس دل نے کی

ایسے دریائے بلا میں غرق ہے کشتی مری
توبہ جس کے نام سے اے ناخدا ساحل نے کی

اس کو تم جوہر نہ سمجھو اپنے رہنے کے لئے
تیغ قاتل نے جگہ خون رگ بسمل نے کی

گرمی سوز جگر سے ہو گیا ہوں جل کے خاک
یہ شرارت آتشیں رخسارے قاتل نے کی

شمیم تخلص تھا اور شمس النسا بیگم نام حکیم قمرالدین خاں صاحب (جو خواجہ وزیر کے شاگرد تھے) کی دختر نیک اختر تھیں بنارس مولد تھا مگر چونکہ ان کے والد لکھنؤ میں چلے آئے تھے اور یہیں سکونت رکھتے تھے اس لئے یہ بھی یہاں رہتی تھیں شعر وشاعری کا نہایت ذوق رکھتی تھیں

مگر نہ کبھی کسی مشاعرہ میں شریک ہوئیں اور نہ اسکے ذریعہ سے شہرت کا خیال کیا۔ ممکن ہے کہ اُن کے کلام پر اصلاح اُن کے والد کرتے ہوں۔ بہرحال جو کلام دستیاب ہوا اُس سے مشق سخن گوئی کا پتہ لگتا ہے۔

جو تیری کاکُلِ مشکیں کی بو صبا لائی — دماغ عرش پہ اس خاکسار کا پہنچا

پڑے جو عکس گلِ تر ہزار بن جائیں — کہ شاخ گل سے بھی نازک ہے یار کا پہنچا

مثال غنچہ تو کیوں دل گرفتہ ہوا ہے شمر — خوشی ہو خط ترے اب گلعذار کا پہنچا

پہلے ثابت کریں اس وحشی کی تقصیریں دو

کیوں مرے پاؤں میں پہناتے ہیں زنجیریں دو

دونوں زلفوں کا تری آیا جو وحشت میں خیال

پڑ گئیں پاؤں میں میرے وہیں زنجیریں دو

کہا قاصد نے کہ لایا ہوں میں پیغام وصال

آج خلعت مجھے پہناؤ کہ جاگیریں دو

دردِ دل دور ہوا سینہ کی سوزش بھی گئی

شربت وصل میں تیرے ہیں یہ تاثیریں دو

یا بہانہ سے بلائیں گے یا خود ہی آئیں — شمر کیا خوب سوچیں ہیں یہ تدبیریں دو

جیتے جی نہ آیا اُسے کچھ دھیان ہمارا مر جانے پہ کیا نکلے گا ارمان ہمارا

گر پڑوں یار کے قدموں پہ اگر پی ہو شراب ہاتھ آیا ہے بہانہ مجھے بیہوشی کا

کوئی نا آشنا نہیں ایسا ملے ہیں آپ آشنا کیا خوب

وصل میں شرم و حیا شرم کو مشکل ہے بہت

کثرت شوق سے ہو جاتا ہے دشوار لحاظ

دشمن ہوا وہ جان کا کی جس سے دوستی

سچ ہے مثل کسی کا کوئی آشنا نہیں

سو طرح کی جفا تری اے نازنیں سہی

اس پر بھی تجھ کو قدر نہیں تو نہیں سہی

فرمائیے تو آپ کے پہلو میں بیٹھ جائیں

پیارے بجائے تکیہ پہلو ہمیں سہی

شرم (ط) چھوٹے صاحب طوائف لکھنؤ کی رہنے والی تھی کلکتہ میں بھی گئی تھی مولوی عبدالغفور خاں صاحب نساخ نے لکھا ہے کہ میں نے اُس کو دیکھا ہے۔ شعر یہ ہیں۔

مردے زندہ ہو گئے پازیب کی جھنکار سے ہر قدم پہ حشر برپا ہو تری رفتار سے

یہ کس رشک مہ کا نظارا ہوا ہے | کہ خورشید آنکھوں کا تارا ہوا ہے

ملے غیر سے یار آنکھوں کے آگے | مری جاں یہ کس کو گوارا ہوا ہے

شرم (ط) امامی جان طوائف کا جو لکھنؤ میں اکبری دروازہ کے قریب رہتی تھی تخلص تھا۔ کبھی کبھی شعر بھی کہتی تھی۔

جو خوش ہوئے تو بغیر التجا ہی وعدۂ وصل | جو ضد پہ آئے تو پھر کیا ہزار بار نہیں

اثر خاک لحد یہ ہے کہ چھو جانے سے | مرض ہجر کے بیمار شفا پاتے ہیں

شرفن۔ (ط) صرف اتنا ہی معلوم ہو سکا کہ کانپور کی ایک فاحشہ کا نام تھا اور یہی تخلص تھا۔ کلام کا نمونہ یہ ہے۔

رات کو ایسا چڑھا نالہ فلک سے مل گیا | کیا کہوں عرش معلی تک بھی سارا ہل گیا

یاد رکھنا خود بخود طبقہ الٹ دونگا وہیں | کوچۂ سفاک میں مجھ سا اگر بسمل گیا

ڈھونڈتا کب سے ہوں دل کو کچھ پتا لگتا نہیں | اشک کے سیلاب میں شاید دل بھی اپنا رل گیا

دور سے قاصد پھرا اتنا وہ آیا نہ ہاتھ | کیا کرے قاصد بیچارا تو کئی منزل گیا

سوجھتا کچھ بھی نہیں تجھ کو بھلا کیا کیجئے
جس کو سمجھا تھا برا شرفن اسی پر دل گیا

شریر (ط) تخلص جگن نام۔ بندا طوائف قصبہ جلیسر ضلع متھرا کی

رہنے والی تھی۔ مگر علی گڈھ میں قیام رہتا تھا شعر و شاعری کا ذوق تھا۔ مرزا امیر بیگ صاحب متخلص میرزا کی نشست اسکے یہاں زیادہ رہتی تھی اور انھیں سے اصلاح لیتی تھی ایک مقطع لکھا ہوا تھا جو حسن انداز سے نقل کیا جاتا ہے۔

شمر ایسا کچھ افسوں پڑھ کہ شوخی قید ہو جائے
غزالانِ حرم سے اُڑکے چشم یار میں آئے

شمر یہ مس میری فلورا سارکس صبیّہ جناب بزم اکبرآبادی کا نام ہے۔ جو رامپور میں پہونچکر اختر جہاں بیگم کے خطاب سے مخاطب ہوگئیں۔ حاضر جواب بذلہ سنج خوش مذاق شاعرہ ہیں۔ آخر پھر رامپور سے کہیں اور چلی گئیں رامپور میں منا صاحب بہادر مرحوم سکریٹری والی رامپور وام اقبالہ سے اصلاح لیتی تھیں ۱۹۱۱ء میں رامپور میں تھیں اُس وقت سولہ برس کی عمر تھی اور اسیوقت کا یہ کلام ہے حضور نواب صاحب دام اقبالہ کی ایک غزل کو تضمین کیا ہے۔

ہے جو ہی ملنے میں عار دیکھیے کبتک رہے	دشمن جاں وہ نگار دیکھیے کبتک رہے
قلب میں اُسکے غبار دیکھیے کبتک رہے	ہے سے خفا ہم سے یار دیکھیے کبتک رہے

غیر کا یہ اعتبار دیکھئے کب تک رہے

پہلوِ عاشق سے جب تم نے نکالا تھا دل　　ہم نے بھی اے دلربا خوب سنبھالا تھا دل
ہائے مگر کیا کریں جانے ہی والا تھا دل　　پہلے تڑپتا رہا نازوں کا پالا تھا دل

ہو گیا بے اختیار دیکھئے کب تک رہے

موسم گل کی بہار دیتی ہے کیا کیا مزے　　سارے درختوں نے بھی لے ہیں کپڑے نئے
شاخ پہ پھر بلبلیں کرنے لگیں چہچہے　　غنچے چٹکنے لگے پھول مہکنے لگے

جوش پہ فصلِ بہار دیکھئے کب تک رہے

پہلے تو معلوم بھی مجکو نہیں تھی یہ شئے　　مست ہوا یک بیک ہو بات نصیحت کی ہے
ایک نظر نے مگر کر دیا قصہ ہی طے　　آنکھیں تری دیکھکر پی ہے محبت کی مے

عشق کا ہمکو خمار دیکھئے کب تک رہے

قلب ہے بیکل یہاں آپکا ملنا ہے دور　　رحم کی دیکھوں نظر کرتے ہیں کبتک حضور
ہو گیا اسکا یقیں مجھکو یہ ہے نشک و دور　　صدمۂ فرقت سے جان جائیگی اکدن ضرور

سینہ میں دل بیقرار دیکھئے کبتک رہے

ہو کے جگر خون یاں آتے ہیں رنگ شباب　　رشک سے اغیار کے جل کے ہوا دل کباب
سر پہ ہے ناحق لیا ہجر بتاں کا عذاب　　عشق ہے ایسی بلا جل کے ہوا دل کباب

اپنے گلے کا یہ ہار دیکھیے کب تک رہے

مست ہیں سب بلبلیں باغ ہی پھولا پھلا سبزۂ تر نے جدا فرش ہے اپنا کیا
ساتھ ہو وہ غنچہ لب سیر کا ہے مزا آئی چمن میں بہار چلتی ہی باد صبا

شاخ کا گل ہے سنگھار دیکھیے کبتک رہے

سبزۂ شمشیر دیکھ خوش ہی ہر اک باغباں ایسا بھلا بار بار ملتا ہی موقع کہاں
دیکھنے کا باغ کے آج ہی کل ہی سماں حسن عروس بہار پھولوں کی نیرنگیاں

بلبل شیدا نثار دیکھیے کب تک رہے

ہمکو نہیں اعتبار اُسکے کسی قول کا دیکھو یہ تم اے شرر وہ نہیں باز آئیگا
دیکھے ہو تم اُسکی راہ چھوڑا ہی وہ پر دغا وعدہ ہوا اُنکا وفا تب تک ملتیں کیا ہو

وصل کا یہ انتظار دیکھیے کبتک رہے

شمشیر (ط) تخلص شمشیر جان نام جے پور کی رہنے والی طوائف تھا ہے جو کبھی کبھی شعر بھی کہتی ہے زمانۂ موجودہ کی ایک شاعرہ ہے۔

کچھ دیکھ بھی تو لطف ہے جا کر سفر میں کیا
شمشیر چھوڑ گھر کو تو بیٹھا ہے گھر میں کیا

شمیم تخلص ہے۔ بی بیگم صاحبہ نام ہے۔ لکھنؤ کی کوئی پردہ نشین خاتون ہیں ان کی ایک غزل نظر سے گزری جسکی پیشانی پر لکھا ہوا تھا کہ آپ نشتر صاحب سندیلوی سے اصلاح سخن لیتی ہیں۔ کلام اچھا ہے مگر افسوس ہے کہ کلام میں نسائیت کی جھلک بھی نہیں۔ غزل حاضر ہے

قول ہے شمشیر قاتل کا مجھے دل چاہیئے
دِل یہ کہتا ہے مجھے شمشیر قاتل چاہیئے

مشکلیں غم کی خوشی سے کاٹ دے انساں ہے وہ
کچھ نہیں پہلو میں اک ہنستا ہوا دل چاہیئے

کیوں نہ رہتی دل کے پردہ میں تری تصویر ناز
ایسی لیلےٰ کے لیے ایسی ہی محمل چاہیئے

کشتیِ حسرت کو کردے غرق اے بادِ مراد
ڈوبنے والے جو ہیں کیا اُن کو ساحل چاہیئے

دیدۂ بسمل کا آئینہ تری زینت ہوا
اب تجھے کیا اور اے تصویرِ قاتل چاہیئے

اے حنا اے دستِ قاتل رنگ چھٹنے کا نہیں

کچھ لہو بھی کشتۂ حسرت کا شامل چاہیئے

دل کا آئینہ دکھایا بڑھ کے جذب شوق نے

تھا تقاضا حسن کا مدِ مقابل چاہیئے

خنجر قاتل تڑپ کر کروٹیں لینے لگا

ہاں اثر اتنا تو خونِ گرم بسمل چاہیئے

سیر ہے بزم حسینان جہاں سے دل شمیم

تو جہاں جلوہ نما ہو اب وہ محفل چاہیئے

شوخ۔ ممولا جان طوائف کا تخلص تھا۔ کانپور کی رہنے والی تھی بعد کو کلکتہ میں جا رہی تھی۔ تذکرۂ شمیم سخن کے مصنف نے لکھا ہے کہ شعر کہتی بھی خوب تھی اور پڑھتی بھی خوب تھی۔ منشی عبدالرحیم آبد سے کلام پر اصلاح لیتی تھی سنہ ۱۲۸۹ھ میں زندہ تھی اب کا حال خدا جانے۔

غش مجھے آیا تو گھبرا کر یہ کہتا ہے وہ شوخ
میرے عاشق میرے شیدا میرے بسمل کیا ہوا

کس کی حیرت کا تصور بندھ گیا
آج کیوں چپ صورت تصویر ہو

کہتے ہیں ملنا تو کچھ مشکل نہیں
ہاں تمہاری آہ میں تاثیر ہو

بے بلائے وہ چلے آئیں یہاں
دوستو ایسی کوئی تدبیر ہو

شوخ ۔ گنا بیگم اہلیہ نواب عماد الملک غازی الدین خاں بہادر نظام وزیر عالمگیر ثانی کا تخلص تھا۔ نہایت حاضر جواب شوخ بذلہ سنج تھیں وقت پر ایسا جواب دیتی تھیں کہ سننے والے کے منہ سے آفریں کی صدا نکلتی تھی شعر و شاعری کا فطری ذوق و شوق تھا۔ میر قمرالدین منت سے صلاح سخن لیتی تھیں۔ اکثر غزلیں فے البدیہ کہتی تھیں چنانچہ ایک مرتبہ کا ذکر ہے گنا بیگم اپنے پائیں باغ میں بیٹھی ہوئی ایک گلاب کے پھول کی بہار دیکھکر کچھ سوچ رہی تھیں۔ اتنے میں نواب غازی الدین آئے بیگم کو یوں محو پایا۔ کچھ دیر دیکھا اور اسکے بعد ہی کہا کہ چلو اندر بارہ دری میں چلو۔ بیگم نے کہا آپ چلیے میں ابھی حاضر ہوتی ہوں۔ نواب صاحب سُن کر چلے گئے اور بارہ دری میں مسہری پر آرام فرمانے لگے۔ بہار کی ہوا کی موجیں آنکھوں کو مست و مخمور کیے دیتی تھیں نتیجہ یہ ہوا کہ بیگم جب اندر پہونچیں تو نواب صاحب سو چکے تھے۔ بیگم نواب کو محو خواب راحت دیکھکر باہر آنے لگیں مگر پاؤں کی آواز نے نواب کو بیدار کر دیا۔ بیگم جا رہی تھیں کہ نواب نے فوراً یہ مصرع موزوں کر کے پڑھا ؎

کر ہماری نعش پہ کیا یار کر چلے

حاضر جواب بیگم نے یہ مصرع سُنا اور جواب میں فوراً یہ مصرع موزوں کر کے نواب کو سُنایا ؎

خوابِ عدم سے فتنہ کو بیدار کر چلے

ایک مرتبہ رات کو بزم عیش منعقد تھی۔ نواب نے شمع کی طرف دیکھکر یہ شعر موزوں کر کے پڑھا ؎

سر سے پاؤں تک سفیدی آگئی تس پر یہ حال
شمع سی ہم نے نہیں دیکھی کوئی بوڑھی چھنال

بیگم نے فی البدیہہ یہ شعر جواب میں کہکر پڑھا ؎

پردۂ فانوس میں رہتی ہے عصمت کو سنبھال
کاٹ لو اُس کی زباں جو شمع کو بولے چھنال

شوخ کی بابت بعض تذکرہ نویسوں کو عجیب عجیب توہمات ہو گئے ہیں بعض نے گنا بیگم کا تخلص نام لکھا ہے بعض نے منتظر لکھا ہے۔ ایک صاحب لکھتے ہیں کہ یہ علی قلی خاں ششش انگشتی کی لڑکی اور نظام کی منکوحہ تھی میر سوز اور میرزا رفیع سودا کی شاگرد تھی ایک جگہ گنا بیگم کا نام شوخ بتایا گیا ہے۔ غرضکہ ہر کس بخیال خویش (الی آخرہ)

یہ سب باتیں ناقابل اعتبار ہیں صحیح وہی ہے جو مصنف گلشن بیخار، چمن انداز وغیرہ نے لکھا ہے اور اس بارہ میں ہم انھیں کے متبع ہیں شوخ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک فطری شاعرہ اور نہایت متین اور سنجیدہ تھیں۔ ان کے کلام میں شوخی درد آمد و آورد تمام لطف ہیں نمونتاً چند شعر ملاحظہ فرمائیے

نیم بسمل نہ چھوڑ جاتا تھا ہاتھ اک اور بھی لگاتا تھا

یا الٰہی یہ کس سے کام پڑا دل تڑپتا ہے صبح و شام پڑا

ہماری خاک پہ اس گل نے جب گذر کیا دم مسیح نئے سر سے آشکار کیا

شمع کو چہرۂ دلدار سے کیا ہے نسبت کیونکہ یہ ہے رخ خنداں وہ ہے روتی صورت

شب کو میاں طلب میں تری ہم بھٹک بھٹک

جوں حلقہ در پہ رہ گئے سر کو پٹک پٹک

میری بھی مشت خاک کا کچھ پایہ ہے ضرور

اے جامہ زیب جائیو دامن جھٹک جھٹک

مقابل ہو ترے لب کے اگر مصری چبا جاؤں

ترے ہونٹوں کی ہمچشمی کرے بادام کھا جاؤں

آیا نہ کبھی خواب میں بھی وصل میسر — کیا جانیے کس ساعت بد آنکھ لگی تھی

ابر چھایا ہی مینھ برستا ہے — جلد آجا کہ جی ترستا ہے

لے اڑی طرز فغاں بلبل نالاں ہمسے — گل نے سیکھی روش چاک گریباں ہمسے

شمع کی طرح کون رو جانے — جسکے جی کو لگی ہو سو جانے

رقیبوں سے وہ جس دم ہنس رہے تھے روبرو میرے
مری ہر مژہ اے دردِ جگر موتی پروتی تھی ؁

ترے منہ کی تجلی دیکھکر کل رات حسرت سے — زمیں پر لوٹتی تھی چاندنی اور شمع روتی تھی

جس طرح لگی دل کو مرے چاہ کسی کی — اس طرح نہ لگیو مرے اللہ کسی کی

اس زلف دراز اپنی کو ظالم نہ کتر دے — کیا فائدہ ہو عمر جو کوتاہ کسی کی

نے نامہ و پیغام زبانی نہ نشانی — حالت سے کوئی کیونکہ ہو آگاہ کسی کی

عندلیبوں کو وہ گلزار مبارک ہووے — ہمکو یہ سایۂ دیوار مبارک ہووے

راتدن جس لئے روتے ہو سو اللہ کرے — ایکدن تم کو وہ دیدار مبارک ہووے

جھوٹھ کہتا ہی تو قاصد یہ زبانی پیغام — مجھ کو باور نہیں جبتک نہ نشانی آوے

جی تک بھی اگر چاہو تو وہ سو اس نہیں ہے — کچھ اور جو ڈھونڈو تو مرے پاس نہیں ہے

اب خواب میں ہی وصل ترا ہووے تو ہووے — ظاہر میں تو ملنے کی ہمیں آس نہیں ہے

یار پردہ میں ہی اور عاشق سے مایوسی ہی — نقش پا تک بھی مگر در پئے جاسوسی ہی

مجھ سے کرتی ہی ہی لطف بھی کیا کیجیے — دل مرا لیکے یہ کہتی ہی رہی کیا کیجیے

بن ترے دیکھے ہوئے اتو نہیں رہتی چشم — اسکی تدبیر کہو اب تو اجی کیا کیجیے

شوکت دلھن - یہی تخلص کرتی ہیں سعید خاتون نام ہی - للت پور میں پیدا ہوئیں - اور بچپن سے شادی کے زمانہ تک اپنے والد حکیم مولوی سجاد حسین صاحب کے ساتھ مین پوری میں رہتی تھیں - بعد شادی لکھنؤ میں چلی آئیں اور اب لکھنؤ میں اپنی سسرال ہی میں قیام ہی محمد عمر صاحب شوکت تھانوی (جو ایک نہایت ہی خوش فکر خوش گو خوش سیرت نوجوان ہیں - اور راقم الحروف سے مشورہ سخن کرتے ہیں) کی اہلیہ ہیں اور انھیں کو اپنا کلام بھی بنظر اصلاح دکھاتی ہیں شوکت دلھن کی غزلیں دیکھکر معلوم ہوتا ہے کہ شعر و شاعری سے انھیں ایک قدرتی لگاؤ ہے اور اگر وہ برابر کہتی رہیں تو ایک زبردست شاعرہ ہو نگی - اب بھی اُن کے کلام میں متانت سنجیدگی علو مضامین کے بہت سے نمونے ملتے ہیں چند اشعار انتخاب کر کے لکھتا ہوں -

دم نہ نکلا انتظار یار میں — نیند کیسی دیدۂ بیدار میں

نبض ناحق دیکھتے ہو بار بار — جان بھی باقی ہی جسم زار میں

تختۂ گلریز چھلنی ہو گیا ۔ بجلیاں اتنی گریں گلزار میں

کھنچ گئی مقتل میں مجھکو دیکھکر ۔ آگئی نخوت تری تلوار میں

اے سعیدہ گریۂ شبنم پہ پھول ۔ تا سحر ہنستے رہے گلزار میں

کہاں کی بھیڑ ہے یارب عبداللہ کا محشر میں ۔ کبھی آباد یاں اتنی نہ تھیں دنیا کے منظر میں

مرے نالوں سے شان ضبط غم مجروح ہوتی ہے ۔ نہیں تو میں پلٹ دیتی نظام دہر دم بھر میں

شب فرقت کی بیتابی سے نکلی اُف نہیں لیکن ۔ کسی نے جیسے کانٹے رکھدیے ہیں آج بستر میں

تخیل ہے کہ وحشت ہے سمجھ ہی میں نہیں آتا ۔ خدا کیونکر نظر آتا ہے ہر خاموش منظر میں

نہیں معلوم اسکے بعد کتنے انقلاب آئے ۔ جنوں کے ساتھ اک صحرا بھی آیا تھا مرے گھر میں

دل بہلنے کا ہمارے خوب ساماں ہو گیا ۔ لیجیے بیٹھے بٹھائے گھر بیاباں ہو گیا

اللہ اللہ آج وہ آئے ہیں قسمت سے حبیب ۔ ہم غریبوں کی بھی تربت پر چراغاں ہو گیا

شوق تخلص کریم بخش نام ۔ پیشہ کسب عام تھا ۔ ضلع امراوتی برار میں تعلقہ مرتضے پور کی رہنے والی تھی ۔ بسم اللہ خاں بسمل کی شاگرد تھی ۔ ایک شعر ملتا ہے جو نقل کیا جاتا ہے ۔

فرقت یار صنم میں اسقدر روتا رہا ۔ اشک چشم تر سے بہکر سیل دریا ہو گیا

سلہ ۔ یہ دونوں تخلص ہیں کبھی اس تخلص سے اور کبھی اس تخلص سے غزل کو ختم کرتی ہیں ۔

شیریں (ط) تخلص تھا۔ بیگا نام تھا۔ لکھنؤ کے چوک کی رہنے والی تھی۔ اور اپنے معاصرین طوائفوں میں ایک درجہ امتیازی رکھتی تھی شعر و شاعری سے ایک فطری ذوق تھا اور نہایت عمدہ شعر کہتی تھی خندہ پیشانی خوبصورت۔ خوش سیرت۔ شاعر دوست تھی۔ اول اول میں میر مہدی آہ سے مشورہ سخن کیا بعد ازاں شیخ امداد علی بحر کو غزل دکھانے لگی۔ اور وہی اسکا زمانۂ شباب و حیات سمجھنا چاہیئے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

سنتا ہے کون کس سے کہوں ماجرائے دل
بہتر یہی ہے نہ کوئی کسی سے لگائے دل

کیونکر رہیں حواس جو قابو سے جائے دل
اے کاش موت آئے کسی پر نہ آئے دل

باتیں وہ دلفریب ادائیں وہ دلربا
ایسی پری خصال پہ کیونکر نہ آئے دل

کیونکر اسے نکال کے سینہ سے پھینکدیں
زلفوں میں پھر کسیکی نہ مجھ کو پھنسائے دل

الفت بھی چاہیئے پہ ذرا دیکھ بھال کر
ہر شعلہ رو کو چاہے تو جیتے ہیں جلائے دل

بیمہر و بیمروت و نا آشنا ہو تم
تمسے خدا نخواستہ کوئی لگائے دل

شیریں کا یہ کلام ہے ہر وقت ہر گھڑی
جس کو خدا خراب کرے وہ لگائے دل

پریزادوں میں تم مشہور میں مشہور دیوانہ
اگر تم شمع محفل ہو تو یہ بندہ ہے پروانہ

گرا جو ہاتھ سے ساقی کے شیشہ ہو گیا ثابت ہماری زندگانی کا ہوا لبریز پیمانہ

کہیں عشق حقیقی ہے کہیں عشق مجازی ہے کوئی مسجد بناتا ہے کہیں بنتا ہے بتخانہ

ہو میدانِ قیامت میں بھی وہ ساغر ملے کا رہے آباد یارب حشر تک ساقی کا میخانہ

نہیں مسند تو کیا پروا خدا پر اپنا تکیہ ہے فقیری میں بھی ای شیریں مزاج اپنا ہے شاہانہ

کچھ متفرقات اشعار بھی ملاحظہ فرمائیے

اُسنے جب مسی لگائی اور جوبن ہو گیا برگ گل اعجاز لب سے برگ سوسن ہو گیا

آنکھ اُٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھا ہر طرف تجھکو جلوہ گر دیکھا

لختِ دل آ کے شاخِ مژگاں پر نخل الفت کا یہ ثمر دیکھا

دہن یار کا بوسہ نہیں ملتا دل کو چشمۂ آب بقا پر ہے سکندر بیتاب

دلمیں جگہ بنائی ہے رہنے کی آپ نے حیراں ہوں مثل آئینہ آئے کدھر سے آپ

ہوئی ہے ہمیں زلف و ابرو کی اُلفت مقدر میں تھی سانپ و بچھو کی اُلفت

چمکتے ہیں گیسوئے پُر افشاں کے ذرے ہوئی شاخ سنبل کو جگنو کی اُلفت

خاک پا جان کر مجھے اپنا دل میں رکھو غبار کیا باعث

وہ عالم ہے ترے گورے بدن میں جو دیکھے چاند آ جائے گہن میں

خدا جانے کیا دلمیں ہے بدگمانی مرے ہاتھ کا پان کھاتے نہیں ہیں

شیریں (ط) تخلص حمیدہ نام لکھنؤ کی رہنے والی عصمت فروش شاہد بازاری تھی رسالہ سراج سے معلوم ہوا کہ یہ عورت گانے ناچنے میں انتہائی کمال رکھتی اور ۱۲۹۳ھ تک زندہ و بخیریت تھی غزل کہتی تھی اور اسمیں بھی اک گونہ کمال حاصل تھا نمونہ کلام یہ ہے -

فصل گل آئی ہوا ہی دستِ جنوں دھیان رہے	ٹکڑے دامن ہو سلامت نہ گریباں رہے
دل بسا جاتا ہی قدموں کے تلے صاحب کے	پاؤں آہستہ سے رکھنے کا ذرا دھیان رہے
تیری صورت پہ نظر ہو ترے قدموں پہ ہو سر	تیری الفت میں مروں یہ مرا ایمان رہے
خانۂ جسم سے یہ کہکے سدھاری مری روح	اپنے گھر جاتے ہیں تھوڑے یہاں مہمان رہے
اب خالق سے شب و روز دعا ہی شیریں	کہ سدا دین محمد مرا ایمان رہے
آرزو کوئی نہیں آئی فلک کے ہاتھوں	دل بیتاب ہیں لاکھوں مرے ارمان رہے

شیریں (ط) یہ تخلص ہی اور شیریں جان نام ہی تلام کی ایک عفت فروش معشوقہ بازاری ہی جو اب سے بیس برس پہلے یعنی ۱۹۱۰ء یا گیارہ میں تلام ہی میں ایک مشاعرہ بھی کرتی تھی مشاعرہ کسی انجمن موسوم بہ عروس نو بہار سے متعلق تھا اور خود اسکی مہتمم یا سکرٹری تھیں۔ ایک غزل رسالہ جلوۂ یار سے نقل کرتا ہوں اس سے یہ معلوم ہوتا ہی کہ علاوہ فطری ذوق شاعری کے زبان نہایت صاف ہی جسکی تلام کے رہنے والے سے تقریباً امید ہی نہیں کیجا سکتی - ملاحظہ فرمائیے -

وہ جو بائیں پہ ہمارے نہیں آنے والے
ہم بھی ہیں اب عدم آباد کو جانیوالے

دیکھنا سایۂ خورشید نہ ہو جائے کہیں
بال کھولے ہوئے او بام پہ جانیوالے

جان من چھوڑ کے زلفوں کو ذرا دیکھ تو لو
خود بخود دام میں آ جائینگے آنیوالے

پھینک اک تیر نظر اپنی کماں کا صدقہ
اے مرے دل کے نشانے کو اڑانے والے

اپنے جانباز کو تم جاکے ذرا وقت اخیر
دیکھ لو جاتے ہیں یوں جان سے جانیوالے

کیوں نہ کہلائیں زمانہ میں بھلا رشک مسیح
کشتۂ ناز کو ٹھوکر سے جلانیوالے

خوب مصرع ہی کہا ہی جو کسی نے شیریں
کبھی بھولے نہ رہے رنج کے کھانیوالے

شیریں (ط) یہی نام تھا اور یہی تخلص تھا۔ بازار چوک لکھنؤ کی ایک شاہد رعنا تھی جو آخر میں کلکتہ چلی گئی تھی۔ یہ اُس کا کلام ہے

دیر سے ہم سر جھکائے منتظر ہیں تیغ کے
دست و بازو کو ترے سو وقت قاتل کیا ہوا

رات باقی ہی ٹھہر جا ابھی جلدی کیا ہے
دل شیدا مجھے بیتاب نکر وصل کی رات

شیریں تخلص عالیجناب نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ سابق فرماں روائے ریاست بھوپال مخاطب بہ خطاب رئیس والا و رعظم طبقۂ اعلاے ہند و کرون آف انڈیا زمرۂ ریاستہاے ہند۔ آپ نہایت ذی حوصلہ قدردان فن حکمران تھیں۔ سنہ ۱۲۵۴ھ میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی سنہ ۱۲۶۳ھ میں بعمر ۹ سال بحکم

گورنمنٹ خلعت ریاست پایا اور غرۂ شعبان المعظم ۱۲۸۵ھ کو زینت افزائے
مسند حکومت ہوئیں علوم ضروریہ سے اچھی طرح آگاہ تھیں اور علما و فضلا
کی نہایت عزت افزائی فرماتی تھیں شعر و شاعری سے بھی فطری ذوق تھا
خود بھی فارسی و اردو میں کبھی کبھی کچھ فرماتی تھیں فارسی میں شاہجہاں
تخلص فرماتی تھیں اردو میں شیریں۔ پہلا دیوان اردو کا ۱۲۸۸ھ میں
مطبع نظامی کانپور میں طبع ہوا تھا آخرکار اس دنیا سے فانی کو خیرباد کہا
اور نہایت ہی قابلہ جانشین کو مسند حکومت تفویض فرمادی جو اشعار یادگار
باقی ہیں وہ یہ ہیں۔

خالق ہے خدائے سحر و شام ہمارا — مشہور اسی نے یہ کیا نام ہمارا
پیدا ہوئے ہم امت محبوب خدا میں — برتر نہ ہو کیوں رتبۂ اسلام ہمارا
آتی ہی ہوا سرد گھٹا اٹھتی ہے گھنگھور — منگواؤ صراحی و مے و جام ہمارا
بیتابی دل اسکے بھی دل میں تو اثر کر — مدت سے یہی تجھ سے ہے پیغام ہمارا
ہم کرتے ہیں حج کوچۂ دلدار کا اپنے — ہے چادر تن جامۂ احرام ہمارا
فرقت میں تری ساتھ دیا اپنا اسی نے — کام آیا بہت یہ دل ناکام ہمارا
کافر کیا مجھکو تری اس زلف نے کافر — اس لام نے کھویا ترے اسلام ہمارا

دُنیا میں بڑا شور ہے شکر شکنی کا | شیریں جو تخلص میں ہوا نام ہمارا

قابل پابوس کیا ہم بھی نہیں ہیں آپ کے | کیا خطا کی ہم نے گر چوما قدم کو کیا ہوا

عرش تک جاتا تھا یا اب کان تک جاتا نہیں | ہم نشینو میرے نالے کے اثر کو کیا ہوا

درد فراق ہی میں سدا مبتلا رہے | دنیا میں اس طرح بھی رہے ہم تو کیا رہے

شیشہ خانہ میں جو آئینہ عذار آئے نظر | چشم مشتاق کو حیرت کی بہار آئے نظر

نیند میں زلف تری دیکھی ہے میرے نصیب | گنج تعبیر ہے گر خواب میں مار آئے نظر

لطف کیا پاؤ گے تنہا دل شیدا لیکر | دیکھئے سیر بھی کچھ یاس و تمنا لیکر

غم سے مرتا ہوں شتاب آئے اجل بالیں پہ | کوئی زندہ نہ کرے نام تمھارا لیکر

جھوٹی قسموں سے دلاسے تو نہ دو شیریں کو | دل بھی پھیرا ہے کبھی تم نے کسی کا لیکر

صاد مہملہ

صاحب (ط) تخلص تھا اور امتہ الفاطمہ نام تھا۔ لکھنؤ کی ایک مشہور شاہد بازاری۔ یا کوئی عفت نا آشنا پردہ نشین تھی۔ غدر ۱۸۵۷ء سے پہلے اتفاقاً دہلی گئی تھی وہاں جا کر بیمار ہو گئی اور حکیم مومن خاں مومن کیطرف

رجوع کرکے علاج و معالجہ کرنا شروع کیا۔ مومن خود ایک حسن پرست شخص تھے۔ بجائے مسیحائی کے اور اُلٹے مریض عشق ہو گئے۔ اور اس مرض نے یہانتک ترقی کی کہ ضبط نہ ہو سکا ایک مثنوی مسمّٰی بہ قول غمیں جواب تک اُن کی کلیات میں موجود ہے اسی غم میں لکھ ڈالی آخرکار حکیم صاحب ہی کی صحبت و مہربانی نے اس کو شاعر بنا دیا۔ چنانچہ اشعار کے دیکھنے سے سراسر حکیم مومن خاں کا طرز بیان معلوم ہوتا ہے۔ وہی شوخی۔ وہی سوز و ساز۔ وہی رنگ بات میں بات نکالنا چنانچہ آپ خود ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

رقیبوں کا جلنا کہاں دیکھتا تو — سماں یہ مرے گھر میں آیا تو دیکھا
گنہ کیا صنم کے نظارہ میں زاہد — یہ جلوہ خدا نے دکھایا تو دیکھا
کھولے ہیں اُسنے پیرہن یوسفی کے بند — طے کر رکھو نسیم سے کھدو قبائے گل
نظر ہے جانب اغیار دیکھیے کیا ہو — پھری ہو کچھ نظر یار دیکھیے کیا ہو
جو خط جبیں کا مرے کاتب ہر اُسی کو — دکھلا نا مرے نامۂ اعمال الٰہی
صاحب جو بنایا ہے تو مانند زلیخا — یوسف سا غلام اک مجھے دے ڈال الٰہی

صدر ۔ نواب صدر محل لکھنوی کا تخلص ہے۔ جو آخری تاجدار اودھ کی زینت شبستان اقبال تھیں۔ صاحب دیوان تھیں۔ سُنا ہی کہ ایک دیوان

موسوم بہ بادشاہ نامہ اور ایک نامہ اسم انکی تصنیف سے ہیں سنہ ۱۲۹۳ھ تک زندہ تھیں ایک غزل بطور نمونہ کلام درج کرتا ہوں -

جوشِ جنوں میں رات دِن سب سے رہا الگ الگ
میں ہوں جُدا الگ الگ لوگ جُدا الگ الگ

میں نے بلائیں لینے کو ہاتھ بڑھائے جب اُدھر
مُنھ کو پھرا کے یار نے مجھ سے کہا الگ الگ

شمع جلانے آئے ہیں آج وہ میری قبر پر
چلیو خدا کے واسطے بادِ صبا الگ الگ

خاک ہو زندگی بھلا تیرے مریضِ عشق کی
میں ہوں دوا سے دور دور مجھ سے دوا الگ الگ

ہجر میں خوب خاک اُڑی اُن کو ہوا نہ کچھ اثر
نالے گئے الگ الگ آہِ رسا الگ الگ

حسرت و آرزوے وصل درد و مصیبت فراق
سب کا ہے لُطف الگ الگ سب کا مزا الگ الگ

تصدق وہ کم نصیب ہوں ہجر میں گر اُٹھاؤں ہاتھ
باقبول سے ہے میری دعا الگ الگ

صندل - ایک شریف عورت کا تخلص تھا جو بلند شہر کے ضلع کی رہنے والی تھی - مگر بدقسمتی نے آوارہ کر کے آوارہ وطن بھی کیا اور آخر میرٹھ میں آ گئی غدر کے بہت بعد تک زندہ رہی حسن و شباب کے رخصت ہوتے ہی عشاق کی بھیڑ چھنٹ گئی اور دریوزہ گری پر نوبت پہونچی اسکے بعد یہ حالت ہوئی کہ بغیر بھیک کے ٹکڑے ملے ہوے فاقہ شکنی بھی محال تھی - دو شعر ایام شباب کے کہے ہوے مجھ تک بھی پہونچے - اور یہ اُس شخص سے سُنے جو عرصے تک اُس کی صحبت بے تکلفانہ میں شریک رہے -

کل رات اندھیری میں مجھ تک جو وہ آ پہنچا
گھبرا کے میں یہ سمجھی اب چاند نکل آیا

ہمیں بھی سب تمہارے مانند دلپذیر آتے تھے
کبھی ہم بھی جواں تھے اے ستمگر دہر فانی میں

صنم - درگا نامی ایک ہندو پاتر کا تخلص تھا جو اکبر آباد میں رہتی تھی اور درگا بائی کے نام سے مشہور تھی کسی راجہ کے یہاں مجرا کرنیوالیوں میں ملازم تھی - نہایت متمول تھی اور اس حالت تمول میں بھی نہایت خوش اخلاق مہذب ملنسار عورت تھی - ایک صاحب نے مصنف تذکرہ چمن انداز سے اسی عورت کا تخلص القط بتایا تھا مگر مصنف کے نزدیک

درست نہیں تھا ایک شعر یادگار ہے

چھپایا گر رخ پرنور اپنا ۔۔۔ جیئے گا طالب دیدار کیونکر

صنم نہیمن نام پنجابی شاہد بازاری کا تخلص تھا جو کلکتہ میں مقیم تھی غلام بھیک خاں سے صلاح لیتی تھی ۔

پھاگلیں یار کی کرتی ہیں قیامت برپا ۔۔۔ سیکڑوں بار بچاتی ہیں گجر دل کی رات

صنوبر (ط) یہ تخلص چھوٹی طوائف کا تھا جو جالندھر کی رہنے والی تھی مگر سیر بازار کی ہوس دہلی کے شاہدان بازاری کی صف میں لے آئی تھی ۔ عمر بھر یہیں رہی اور یہیں فوت بھی ہوئی ۔ سال فوت ۱۲۱۹ھ ہے دہلی قدم شریف میں مدفون ہے ۔ نمونہ کلام یہ ہے ۔

زندگی تک کے یار ہیں یہ لوگ ۔۔۔ مر گئے پر یہ آشنا کس کے

دل نہ دے ان کو تو خدا کو مان ۔۔۔ اے صنوبر یہ بت بھلا کس کے

ضاد منقوطہ

ضرورت تخلص شرف النساء نام اہلیہ مرزا کوچک جو دہلی کے ایک بزرگ نسل تیموریہ سے تھے ۔ یہ عفیفہ اکثر نعتیہ اشعار کہتی تھیں

ضیا - تخلص تھا۔ اور سکندر جہاں بیگم نام تھا۔ اگرچہ یہ نہ معلوم ہو سکا کہ اصل سکونت کس جگہ تھی مگر ضمیمہ تذکرہ ماہ درخشاں سے یہ پتہ چلا کہ میر امیر علی صاحب سابق کوتوال ریاست جاورہ کی دختر نیک اختر تھیں۔ شعر و شاعری کا شوق تھا۔ میری نظر سے ان کا ایک معتد بہ کلام گزرا۔ جس کے دیکھنے کے بعد میں نے اپنی رائے ان کے کلام کی بابت نہایت اچھی قائم کی ہے۔ چند غزلوں کا انتخاب حاضر ہے

ایک قاتل سے دوستی کی ہے ۔۔۔ موت سے ہم نے دل لگی کی ہے

کون کہتا ہے ہم کو دیوانہ ۔۔۔ یہ نشانی تو اک پری کی ہے

خون دل خشک ہو گیا شاید ۔۔۔ اشک نے آنکھ میں کمی کی ہے

کب تلک ظلم اے ستم ایجاد ۔۔۔ انتہا بھی ستمگری کی ہے

فیض استاد مہرباں سے ہے ضیا
دھوم جو تیری شاعری کی ہے

کون دے اس بیوفا ظالم کو دل ۔۔۔ مفت کی ایسی کسی کی جاں نہیں

بخیہ گر دست جنوں سے تنگ ہوں ۔۔۔ جیب کچھ باقی ہے تو داماں نہیں

میری بیتابی پہ روتے ہیں عدو ۔۔۔ دوست میرے حال پر خنداں نہیں

جینے دیتی ہے نہ مرنے دیتی ہے تیری ظالم ہر گھڑی کی ہاں نہیں

ہے کوئی آتش کا پرکالہ ضیا

سینے میں اپنے دل سوزاں نہیں

ہوا اک آفت جاں پر فدا دِل نہ دے دشمن کو بھی ایسا خدا دِل

کہاں ڈھونڈوں کدھر گم ہو گیا دل ابھی تو پاس میرے تھا مرا دِل

پئے مشقِ جفا لاؤں کہاں سے تمھیں تو چاہیئے روز اک نیا دِل

دلِ ناکام لے کر کیا کرو گے نہیں ہے یہ تمھارے کام کا دل

بُت کا فر سوا تیرے خدا سے نہیں رکھتا ہے کوئی التجا دِل

بتوں نے کر دیا اب غیرتِ دیر کبھی مشہور تھا بیت خدا دِل

یوں جو ہم نوجوان مرتے ہیں اُنکی یادِ شباب ہے دِل میں

مندرجہ بالا شعر مومن کے اس شعر سے ماخوذ ہے۔

یوں کبھی نوجواں نہ مرتا میں تیرے عہد شباب نے مارا

بیوفاؤں کو با وفا جانا ہائے کمبخت دل نے کیا جانا

واہ ری نارسائی قسمت اُس کے در تک نہو سکا جانا

دیکھی گئی نہ ہم سے ہنسی اُسکی غیر سے
روکا گیا نہ گریۂ بے اختیار چشم

لاچارہ ساز سُرمۂ خاک رہِ نگار
اکسیر ہے یہ نسخہ برائے غبار چشم

نظارۂ حبیب سے خوش ہوکے دل نے آج
لخت جگر نکالے ہیں بہر نثار چشم

آنکھیں بھی نذر گریۂ فرقت ہوئیں ضیا
ماتم تھا پہلے دل کا ہوں اب سوگوار چشم

رباعی

گم کردہ رہ غریب ہوں منزل سے دور ہوں
طوفان دہ سفینہ ہوں ساحل سے دور ہوں

ظالم اب اپنے در سے اٹھاتا ہے کس لئے
کیا کم ہے یہ ستم کہ ترے دل سے دور ہوں

کوئی غمخوار نہ ہمدم ہے شب فرقت میں
اک تری یاد ہے یا بیکس و مضطر میں ہوں

عشق کو دین سمجھتا ہوں شہ فا مذہب ہے
اے صنم تجھ سے جو پھر جاؤں تو کافر میں ہوں

نہ کیا بخت نے اُس در کا گدا بھی مجھ کو ؎
اے ضیا نام کو ہر چند سکندر میں ہوں

جی میں ہو فکر بتاں اور لب پہ ہو ذکر خدا
لے دل بیتاب تجھ سے پارسائی ہو چکی

یہ کہتے ہیں ٹھکرا کے وہ نعش عاشق
یہ فتنہ نہیں ہے جگانے کے قابل

بھلا خاکساروں سے اتنی کدورت
نہ تھے خاک ہیں ہم ملانے کے قابل

بجا ہے وفادار کوئی نہیں ہے
مرا عشق ہے آزمانے کے قابل

طاے مہملہ

طاہرہ - یہی نام ہے اور یہی تخلص ہے - دہلی کی ایک پردہ نشین عفت مآب خاتون ہے - زمانۂ حال کی شاعرہ ہے - مگر کبھی اپنا کلام کسی گلدستہ یا رسالہ وغیرہ میں نہیں دیتیں میرے لیے بھی صرف ایک دو شعروں کے چھاپنے کی اجازت ہے - اگرچہ مجھے اس سے زیادہ حال معلوم ہے مگر لکھنا میرے اختیار میں نہیں ہے شعر یہ ہیں -

ظلم صیاد کا گلشن سے عیاں ہوتا ہے
پتے پتے کی زباں سے وہ بیاں ہوتا ہے

جب تک رہے جہاں میں جگر چاک ہی رہا
مانند گل کے ہم بھی بڑے بد نصیب ہیں

مرنے پہ مرے دل کو پریشان نہ کرنا
پھولوں کی طرح چاک گریبان نہ کرنا

فرماتے ہیں ہر بات پہ دل توڑ کے میرا
انسان ہو تو اب کوئی ارمان نہ کرنا

طالب - صاحب تذکرہ چمن انداز کا بیان ہے کہ ایک مجہول الحال عورت کا تخلص ہے - مگر مصنف ماہ درخشاں کہتا ہے کہ یہ دہلی کی ایک پردہ نشین تھیں انھوں نے طالب تخلص لکھا ہے مگر شعر پر خیال کیا جاتا ہے تو طلب تخلص صحیح معلوم ہوتا ہے -

طلب کو طلب تھی جو دیدار کی　　کھلی رہ گئی آنکھ بیمار کی

ظائے معجمہ

ظرافت۔ صاحب گلستان سخن نے لکھا ہے کہ یہ ظریف ایک پردہ نشین عورت ہے۔ پہلے شاید شاہد بازاری تھی مگر تائب ہو کر نکاح کر لیا شاعرہ خوش گو تھیں یہ اُن کا کلام ہے۔

اُس کے لب ہیں شراب سے بہتر　　حُسن ہے آفتاب سے بہتر

ظریفہ۔ باوجود تلاش نام و حالات مسکن وغیرہ سے پتہ لگانے میں کامیابی نہ ہو سکی البتہ یہ معلوم ہو گیا کہ دور موجودہ کی ایک نازک خیال شاعرہ ہیں شعروں سے مشق شعر کا پتہ چلتا ہے۔ مگر جیسا کہ تخلص ہے ویسے اشعار نہیں ہیں۔ بلکہ شعروں سے سوز و ساز کے ساتھ ایک متانت ظاہر ہوتی ہے ملاحظہ فرمائیے ۔

بہتر تو یہی تھا کہ مجھے پیار نہ کرتے　　کرتے بھی تو رسوا سر بازار نہ کرتے

ہیں آپ دکھاتی تھیں سو رنگ کے جلوے　　تم حسرت دیدار کا اظہار نہ کرتے

جذبات کی رَو میں مجھے معبود بنا کر　　اے کاش تم اپنے کو گنہگار نہ کرتے

دل ہی میں چھپا رکھتے اگر رازِ محبت — اس دُکھ کا علاج آپ ہی دشوار کرتے

دیوانگیٔ عشق ہے سرمایۂ راحت — تم پھول میں پیدا خلشِ خار کرتے

منظور نہیں مجھ کو تنک ظرفیٔ منصور — دنیا پہ عیاں حالِ دلِ زار کرتے

اتنا بھی نہ تھا مادۂ ضبط جو تم میں
بہتر تو یہی تھا کہ مجھے پیار کرتے

یہ غزل نذرِ عشق کے عنوان سے آئینہ اگست ۱۹۲۳ء میں چھپی تھی
تلمیح طلب معلوم ہوتی ہے۔ مگر محتسب را درون خانہ چہ کار

عین مہملہ

عابدہ تخلص نواب مراد بیگم صاحبہ مرحومہ مغفورہ کا ہے جو نواب محمد یوسف علیخاں صاحب بہادر مرحوم سابق حکمران رامپور کی دختر بلند اختر تھیں اور نواب محمد زین العابدین کی جو جیپور میں فوجدار تھے محل خاص تھیں۔ علم و فضل میں یکتائے زمانہ اور اپنے عہد کی یگانہ تھیں۔ ایک دیوان فارسی۔ ایک اُردو۔ اور ایک مثنوی متعلق شکاران سے یادگار ہے۔ مگر افسوس کہ کلام مل نہ سکا مجبوراً دو شعر تذکرہ چمن انداز سے نقل کرتا ہوں جو مرحومہ کی تاریخ

وفات ۱۲۷۶ھ ظاہر کرتے ہیں۔ جو یا مرحوم نے اُنھیں کے مصرعہ کو تضمین کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

یہ کرامت اُسکی ہی جو یا کہ خود فرما دیا ۔۔۔ تا قیامت رحمت خلاق باری قبر کو
کشتہ ہیں لاغری ہم تنگ گندم گوں کے جو ۔۔۔ ہو شکن گندم کی بس کافی ہماری قبر کو

عالم ۔ یہ تخلص زوجۂ واجد علی شاہ بادشاہ اودھ متخلص بہ اختر کا تھا جو آخر میں کلکتہ میں رہیں۔ نہایت عمدہ شعر کہتی تھیں ستار بجانے میں بھی مہارت تامہ رکھتی تھیں ان سے ایک مثنوی اور ایک دیوان یادگار ہے مصنف تذکرۃ الشاعرات کی نظر سے وہ دیوان گزرا ہے اور اُنھوں نے انتخاب کلام درج کیا ہے میں بھی اُسی انتخاب کو بجنسہ نذر ناظرین کرتا ہوں۔

گیسوے خمدار اُسکے رخ پہ بل کھانے لگا ۔۔۔ سینۂ عشاق پر بس سانپ لہرانے لگا
بیقراری کیا بیاں ہو اس دل بیتاب کی ۔۔۔ شور و فغاں سے ہمارے عرش تھرانے لگا
اجاڑے دیکھیے کس کس کے آشیانے کو ۔۔۔ یہی چمن میں ہو اب چار سو فغاں صیاد
اے باغباں چمن میں یہ کہدے پکار کے ۔۔۔ تو بلبلو چلو کہ دن آئے بہار کے
وحشی وہ ہوں کہ قیس نے بھی بس تصور کیا ۔۔۔ گنڈے بنا کے پہنے گریباں تار کے

عالم وہ طلبگار ترے ہونگے اسی دن ... جب تازہ ستم کوئی بھی ایجاد کرینگے
گزار ہی رات ساری تارے ہی گن گن کے عالم نے
ہوا شب کو جودھو کا اپنے اختر کا ستاروں میں

عزت مظفر نگر کی ایک لائق فائق خاتون ہیں۔

میں اپنی آہ کی تاثیر کے فدا عزت ... کہ بزم غیر سے یاں اسکو کھینچ لاتی ہے
قافیہ تنگ نہو اہل سخن کا کیونکر ... ہے مرے شعر میں مضموں کمر و کاکل کا

عزیز (ط) عزیز جان طوائف دہلی کی رہنے والی کا تخلص جو سعادت یار خاں رنگین سے اصلاح لیتی تھی۔ نہایت شوخ چنچل عورت تھی شعر و شاعری کو تفنن طبع نہ سمجھتی تھی بلکہ اس کو بھی منجملہ دیگر فنون کے ایک مستقل فن سمجھ کر کرتی تھی۔

جبکہ باغ و بہار دیکھیں گے ... ایک گل کیا ہزار دیکھیں گے
تم نہ دیکھو گے گو ہمیں اکبار ... ہم تمھیں بار بار دیکھیں گے

عشرت۔ نواب عشرت محل واجد علی شاہ مرحوم سابق شاہ اودھ کی حرم عالیہ کا تخلص تھا۔ بادشاہ کے ساتھ کلکتہ چلی گئی تھیں اور آخر تک وہیں رہیں۔

گرمیٔ عشق مانع نشو و نما ہوئی　　　میں وہ نہال تھا کہ اگا اور جل گیا

عصمت - ایک عصمت آب خاتون ساکنۂ دہلی کا تخلص تھا جو ۱۹۰۸ء

میں مدرسۂ تعلیم مستورات میں لڑکیوں کو پڑھاتی تھیں اُنکی قابلیت مسلمہ تھی

اس کے بارہ میں زیادہ لکھنا تحصیل حاصل ہے -

لعلِ لب جاں بخش ہو گویا ورق گل　　　اور رخ پہ پسینا ہے ترا جوں عرقِ گل

یوں زمزمۂ گوش اُسکا چمکتا ہی گہر سے　　　شبنم سے چمک جاتا ہی جیسے ورقِ گل

لب ہوئے بند نام احمد سے　　　اور مشکل کشا نے کھول دیے

عفت تخلص نجم النسأ بیگم نام تھا مولوی مقصود عالم مقصود

ساکن بہار کی شاگرد تھیں - نہایت قابل تھیں صاحب دیوان گزری ہیں

ہم جو ایجان جہاں تمسے بچھڑ جاتے ہیں　　　صدمے ہوتے ہیں قلق ہوتے ہیں گھبراتے ہیں

عفت - زمانۂ حال کی ایک شاعرہ کا تخلص ہے جو رنگ جدید میں

شعر فرماتی ہیں ملاحظہ فرمائیے - اصل یہ ہے کہ جدید رنگ جسکی بنیاد بعض

ناعاقبت اندیشوں کے دماغ نے ڈالی ہے صرف الفاظ کا گھروندا ہے

کہیں کہیں نہ بحر سمجھ میں آتی ہو اور نہ طبع سلیم کو صحیح صحیح یہ اندازہ ہوسکتا ہو

کہ شاعر کا مطلب کیا ہے اور وہ کیا کہنا چاہتا ہے - کہا جاتا ہے کہ یہ

ترقی ہے۔ اگر یہ ترقی ہے تو اُردو کی یہ ترقی معکوس دیکھکر اُردو کا ماتم کرنا چاہیئے۔

وقت نماز این ست حسن نیاز این ست

تارا دمک رہا ہے۔ کھرہ مسک رہا ہے
بادل سرک رہا ہے۔ بلبل چہک رہا ہے
غنچہ چٹک رہا ہے جلوہ ٹپک رہا ہے
سبزہ لہک رہا ہے۔ بیلا مہک رہا ہے
پتّا لچک رہا ہے قطرہ ڈھلک رہا ہے
ساغر چھلک رہا ہے شیشہ جھلک رہا ہے

وقت نماز این ست حسن نیاز این ست ؀

شفاف آسماں ہے دریا سا اک رواں ہے
بادِ صبا رواں ہے کیسا حسیں سماں ہے
غنچہ ہر اک جواں ہے ہر پھول گلستاں ہے
جلوہ ترا عیاں ہے ہر گل میں تو نہاں ہے
کیا جوش طائراں ہے ہر ایک تر زباں ہے
دریا صحیفہ خواں ہے موج نہیں اک اذاں ہے

وقت نماز این ست حسن نیاز این ست

غرض کہ پانچ چھ اسی قسم کے بند نظر سے گزرے الفاظ کے انبار کے انبار ہیں معنی ندارد۔ اور وہ مصرع جو آخر میں رکھا ہے خدا معلوم کیا ہے ہیں کچھ نہیں سمجھا۔

عفت ۔ یہ تخلص معلوم ہے مگر نام معلوم نہیں۔ ترک علی شاہ

منصبدار ریاست حیدرآباد۔ حیدر ظہیر دہلوی کی شاگرد ہیں ۱۹۱۰ء کے ایک رسالہ میں آپکی یہ غزل چھپی تھی جو درج کرتا ہوں۔ آپکی شاعری سے زباندانی کا پتہ چلتا ہے۔

مرتا ہوں کوئی ہائے مددگار نہیں ہے — دل جسنے لیا وہ بت عیار نہیں ہے

بوسے کی طلب پر نہ کہو پھیر کے منہ ہاں — انکار کا پہلو ہے یا اقرار نہیں ہے

لاکھوں ہیں حسین دیکھنے کو حسن میں لیکن — تم سے تو کوئی بڑھ کے طرحدار نہیں ہے

سنتا نہیں احوال کوئی کسکو سنائیں — ہمدرد نہیں ہے کوئی غمخوار نہیں ہے

ہم تجھ پہ فدا ہوتے ہیں اور ہمسے یہ کھنچنا — لازم تجھے اے خنجر خونخوار نہیں ہے

حیرت ہے ملا آئنہ کو بخت سکندر — قسمت وہ ہماری ہے کہ دیدار نہیں ہے

رونے کے لیے میرے جنازہ پہ اب عفت
جز یاس و الم کوئی بھی غمخوار نہیں ہے

عیدو۔ دہلی کی ایک شاہد عفت فروش عصمت ناآشنا کا تخلص تھا۔ آخر میں کسی شریف سے نکاح کرلیا تھا۔

غنچہ کو برگ گل کو دکھا مانی سے کہدو
تصویر میں کھینچے دہن ایسا کمر ایسی

غین معجمہ

غریب - یہ تخلص تھا - اصلی نام امیر النساء تھا - میر برکت علی ساکن پٹنہ کی منکوحہ تھیں شعر و شاعری سے قدرتی دلچسپی تھی نمونۂ کلام یہ ہے -

لو اور وہ تو جلنے لگا میرے نام سے ۔۔۔ دل سرد آب تو آہ شرربار نے کیا
کھلتا نہ تا بمرگ مرا یہ معاملہ ۔۔۔ رسوائے شہر مجکو دلِ زار نے کیا
دلکو دریدہ جلایا مثل شمع کیوں غریب ۔۔۔ وہ جو پروانہ ہو غیروں پر تو ہو کچھ غم کم
گر صبا دمیں جگہ اُسکے نہیں کرتی تو خیر ۔۔۔ اسقدر بھی مجھ سے اُس محبوب کو برہم کر

غزالہ تخلص میمونہ خاتون نام - زمانۂ حال کی ایک خوشمذاق خوش فکر شاعرہ ہیں - رابعہ خاتون نہاں کی حقیقی چھوٹی بہن ہیں - بریلی آپکا دولتخانہ ہے جب سے آپکی شادی ہوئی ہے آپ غزالہ مسز احسان کے نام سے مشہور ہیں - آپ کی بعض بعض غزلیں نظر سے گزریں ایک نظم بطریق نمونہ حاضر ہے جس سے ان کی جودت طبع کا اندازہ ہوتا ہے -

ندی کے کنارے

دہقان کی پیاری لڑکی ندی پہ جلوہ نما ہے
ساری کا سبز آنچل سر سے ڈھلک رہا ہے

چتون کی سادگی میں اک مست شعلہ زا ہے
جس پر نظر پڑی ہے وہ شعلہ بنا ہوا ہے

ہونٹوں میں ہے تبسم نظریں جھکی ہوئی ہیں
معصوم حسن بے خود انگڑائی لے رہا ہے

ہاتھوں میں چوڑیوں کی رنگین لہریاں ہیں
اک نیم باز غنچہ کانوں میں ہنس رہا ہے

معصوم سادگی میں لاکھوں تجلیاں ہیں
ماتھے کا سرخ ٹیکا چھپکا بنا ہوا ہے

مژگاں میں مست پتلی رقصاں ہے یا کہ شاید
کالی گھٹا میں کوئی انگڑائی لے رہا ہے

گیسو سے نرم جھونکے کچھ چھیڑ کر رہے ہیں
ان پیاری انکھڑیوں میں ساغر چھلک رہا ہے

بجلی تڑپ رہی ہے ہر ہر نظر میں قاتل
ہر اک ادا میں ظالم شعلہ بھڑک رہا ہے

معصومیت کی پتلی دیوی نزاکتوں کی
تیری ادا سے سادہ جنت نہیں تو کیا ہے

فاء

فاطمہ تخلص تھا۔ اللہ داد کے نام سے مشہور اور موسوم تھی۔ مدرسۂ زنانہ دہلی میں فارسی پڑھاتی تھی ۱۲۸۹ھ تک زندہ تھی ایک شعر مل سکا

آپ کی مرضی ہنسنے پائی ہے
پھر یہ کیوں لیت و لعل ڈالی ہے

یہ شعر بعض تذکرہ نویسوں نے اِس کے نام سے لکھدیا۔ مگر یہ تلمیح طلب ہے
اصل واقعہ یہ ہے کہ ایک صاحب جو فاطمہ کے اُستاد تھے ایک روز
یہ مصرعۂ اولیٰ پڑھ رہے تھے حاضر جواب فاطمہ نے فوراً دوسرا مصرع لگا دیا
فاطمہ یہی تخلص تھا اور نام بھی یہی تھا آگرہ کی رہنے والی تھیں
خوب شعر کہتی تھیں نمونۂ کلام ملاحظہ ہو۔

ہم خود بھی ایسے ہیں کہ منایا نہ جائیگا ۔۔۔ نازک دماغ وہ ہیں تو یاں بھی ہے تمکنت

ماہ درخشاں کے مصنف نے یہ شعر غلطی سے فاطمہ دہلوی کے نام
سے موسوم کر دیا ہے۔

فرحت (ط) فرحت بیگم نام تھا۔ فیض آباد کی ایک حسین شاہد بازاری
تھی غدر میں زندہ تھی خوب شعر کہتی تھی موسیقی میں بھی دستگاہ رکھتی تھی۔

میں جلوں اور کرے غیر سے یوں گرم بغل ۔۔۔ دلمیں ٹھنڈک مرے تو بھی بنے جب مجھ سا

دل لگایا ہے تری زلف رسا سے کچھ ہو ۔۔۔ سانپ کو چھیڑ لیا اب تو بلا سے کچھ ہو

میں نہ چھوڑونگی سر زلف بتاں اے واعظ ۔۔۔ میری کیا تجھکو پڑی تیری بلا سے کچھ ہو

فرخ (ط) تخلص ایک شاہد بازاری کا ہے جو کانٹھ کی رہنے والی تھی۔
ایک مطلع محفوظ ہے جو سپرد قلم کیا جاتا ہے۔

فریدن (ط) میرٹھ کی ایک نامی طوائف تھی۔ دہلی میں بھی عرصہ تک رہی تھی۔ مالدار بھی تھی اور بامروت بھی تھی کبھی کبھی فکر شعر کرتی تھی۔ حافظ عبد الرحمٰن خاں احسان سے اصلاح لیتی تھی۔ اب سے تقریباً ۸۰-۹۰ برس پہلے زندہ تھی۔ ایک شعر اُس کا تذکروں میں ملتا ہے جو درج کیا جاتا ہے۔

ایک ہی زبان رکھو تو ہمکو زبان دو   کرتی ہے روسیاہ قلم کو زبان دو

قاف

قاتل (ط) یعنی عجوبہ جان طوائف فیروزآباد ضلع آگرہ کی رہنے والی تھی۔ مہذب اور خوش مذاق تھی طبیعت موزوں پائی تھی جب چاہتی شعر بھی کہہ لیا کرتی تھی۔ یہ شعر اُسی کے ہیں۔

صدا جو جھانجھ کی پہونچی ہمارے کانوں میں   تو شوق دل نے نکالا مزار سے ہمکو

فقیر عشق ہیں قاتل خدا کے بندے ہیں

امید وصل ہے پروردگار سے ہمکو

قادری - قادری ... بیگم نام تھا ... بیگم ...

رہنے والی کی چھوٹی بہن تھیں اور شاہ نصیر مرحوم کی شاگرد تھیں۔ یہ غزل جو درج کیجاتی ہے انھیں کی فکر کا نتیجہ ہے

شرطِ وفا یہ نہ تھی غیر کے گھر جائیے کچھ تو حیا کیجئے جی میں تو شرمائیے
ترسِ خدا چاہیے اے بتِ ترسا تجھے عاشقِ رنجور کو اتنا نہ ترسائیے
لب سے بہم کیجئے اپنے لبِ لعل کو شرم نہ کچھ کیجئے چھاتی سے لگ جائیے
میں ہوں فقط اور تم نام نہیں غیر کا پاؤں مری گود میں شوق سے پھیلائیے

ہجر میں اے قادری سخت ہے مضطر یہ دل
ایک دن اُس سے ضرور ملنے کی ٹھہرائیے

قمر تخلص حیدری بیگم نام ماہ طلعت عرف مرزا ہمایوں بخت کی صاحبزادی مرزا محبوب علی قوس کی ہمشیرہ واجد علی شاہ آخری تاجدار اودھ کی حرمِ محترم تھیں۔ بیحد ذہین طبیعت دار، خوش مزاج حاضر جواب بذلہ سنج ظریفہ، لطیفہ گو تھیں۔ موسیقی میں بھی حسبِ ضرورت دستگاہ بہم پہونچائی تھی۔ اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں بہترین شعر کہتی تھیں۔ بادشاہ کے ساتھ کلکتہ بھیجدی گئی تھیں آخر عمر تک وہیں رہیں سنہ

[illegible]

خود ہی عنایت فرمائے تھے ۔

دلِ ناشاد کو تم نے نہ کبھی شاد کیا
بھول کر بیٹھے ہیں پھر نہ کبھی یاد کیا

مر کے بھی خو نہ گئی بادہ کشی کی زاہد
حشر میں ساقیِ کوثر کا نہ داماں چھوٹا

روز و شب کرتی ہے بلبل یہ قفس میں فریاد
ہائے کیا فصل بہاری میں گلستاں چھوٹا

لیگیا قیس یہ بھی شوق تمھارا وحشی
مر کے بھی دست جنوں سے نہ گریباں چھوٹا

دعوی تھا عبث یار مسیحائی کا تمکو
اچھا نہوا ایک بھی بیمار تمھارا

داغ سودا سر پہ ہے یا ہمیں زنجیر شعاع
ہے پر پرو تیری الفت میں جمال آفتاب

گر مقابل ہو تمھارے روئے آتش ناک سے
بدر کی صورت گھٹے ہر دم کمال آفتاب

سوزش داغِ دلِ بیتاب سے پایا فروغ
آپ سے ایسا بھلا کب تھا جلال آفتاب

عشق خطِ صنم کا تھا اللہ یہ گناہ
بہر عذاب آئے ہیں مرقد میں ہمارے سبز

گر آب زندگی بھی تو برسائے ہے فلک
کشت امید وصل نہو زینہار سبز

اے مے کشو تکلف ساقی تو دیکھنا
شیشے ہیں سرخ جام مے خوشگوار سبز

شیدا ہیں چشمِ پر فن آہو شکار کے
گلشن میں کب ہے نرگس بیمار سے غرض

ہوں وہ سرگشتہ کہ بعد مرگ ہی جوشِ حباب
لوح مرقد کے لئے سنگ فلاخن چاہیے

قتل عاشق کے لئے کیا تیغ آہن چاہیئے

گل سودا شگفتہ ہیں فیض اشکباری ہے ۔۔۔ نسیم آہ کا جھونکا یہاں باد بہاری ہے
نہ پوچھ اے ہمنشیں ہم سے شب فرقت کی بیتابی ۔۔۔ الم ہے درد و حسرت ہے فغاں ہے آہ و زاری ہے
کرے لٹنے ستارے کفش سے تیرے مہتاب ۔۔۔ روش گلزار کی ہر ایک فرش زرنگاری ہے

قمر تخلص قمر النساء نام اشرف علیخان مسرور کی اہلیہ تھیں زن و شوہر میں نہایت محبت و اخلاص تھا۔ اسی محبت و اخلاص کی وجہ سے ایک کو دوسرے کی جدائی اتنی گوارا نہ تھی کہ زندہ رہ سکے اور اسی وجہ سے تین روز کے فاصلہ سے ایک دوسرے کا انتقال ہوا۔ مجھے افسوس ہے کہ ان جملوں کے سوائے سکونت وغیرہ کا کسی تذکرہ سے پتہ نہ چل سکا مجبوراً نقل پر اکتفا کی نہ یہ معلوم ہو سکا کہ یہ شاعرہ کب اپنی سخن سنجی سے اہل ذوق کے لیے سامان ضیافت طبع بہم پہونچاتی تھی بہرحال جو شعر ملے وہ درج کرتا ہوں

جسے لوگ کہتے ہیں خورشید رخشاں ۔۔۔ ستارہ ہے اک میرے سوز نہاں کا
مری آہ کی کار فرمائیاں ہیں ۔۔۔ پتہ لامکاں تک نہیں آسماں کا
وبال حضرت دل تمکو زیست ہو جاتی ۔۔۔ جو تم سے لطف سر زلف مو بمو کہتی

ہوئی ہوں تشنہ جام شراب نزع کیوقت
اُٹھونگی حشر میں ساقی سبو سبو کہتی

کریں کہدو منہ بند غنچے سب اپنا
میں لکھتی معما ہوں اُسکے دہاں کا

قمر - صرف تخلص ہی معلوم ہے - جناب سید حسین صاحب کی صاحبزادی ہیں - ایک نظم ساون کے عنوان سے نظر سے گزری نہایت اچھی نظم ہے اُسی پر اکتفا کرتا ہوں - بعد کو معلوم ہوا کہ آپ دیوے شریف کی رہنے والی ہیں -

اُٹھی انگڑائیاں لیتی جو گھٹا ساونکی
چلی بل کھاتی ہوئی بادِ صبا ساونکی

تیرے بیمارِ محبت کو سُلانے کے لیئے
رات بھر لوریاں دیتی ہے ہوا ساونکی

جھولا پھولونکو جھلاتی ہے گلستاں میں بہار
جوشِ مستی سے مگر تن کے ہوا ساونکی

ہو گئے زخم مرے دل کے ہرے آپ سے آپ
ٹھنڈی ٹھنڈی جو چلی کچھ الٹی ہوا ساونکی

دامنِ دل میں لیئے تازہ گلِ جذبۂ عشق
ناز کرتی ہوئی آتی ہے گھٹا ساونکی

میں تھا وہ تفتہ جگر قبر پہ میری اتبک
چادرِ برق چڑھاتی ہے گھٹا ساونکی

مانگ لو بھائی سے انعام سنا کر یہ غزل
مُجھ سے کہتی ہے قمر اُٹھ کے گھٹا ساونکی

کاف تازی

کافر۔ فرخ جمال شاید نام ہے جہان آباد دہلی جمعیت کی رہنے والی ہیں
عربی و فارسی کتابیں پڑھی ہیں مسلم گرلس اسکول علیگڑھ میں بھی تعلیم پائی ہے
والدین کا سایہ سر سے اٹھ گیا ہے اب آپ کا شغل صرف بچیوں کو تعلیم دینا
اور مطالعۂ کتب کرنا ہے۔ ایک نظم یا غزل نظر سے گزری درج کرتا ہوں۔

بدمستی شبینہ کا رشباب لٹا — جس میکدہ میں پہونچے جام شراب لٹا
ساقی سے کہہ رہی ہے سکوے شباب لٹا — کشتی مے میں کب تک جام شراب لٹا
شرم و حیا نے اٹھکر خود آئینہ دکھایا — بیتابیوں نے بڑھکر طرف نقاب الٹا
اٹھتی نہیں نگاہیں شرم الہی گناہ الفت — ہم ان سے کہہ رہے ہیں کافر حجاب الٹا

کامل۔ زمانہ حال کی ایک تعلیم یافتہ نوجوان مسلمان سنی المذہب
خاتون پردہ نشین کا تخلص ہے جس نے اپنا کلام اس تذکرہ کے لیے
عنایت کرتے ہوے اپنے نام وطن وغیرہ کے چھپانے کی خاص تاکید
کر دی ہے۔ اس لیے ہم نہیں چاہتے کہ نام لکھکر یا مسکن و مولد کا پتہ دے کر
ہمیشہ کے لئے ان کو اپنی طرف سے بدگمان کریں شعر جو دیے گئے ہیں

وہ حاضر ہیں۔

کہتے جلتے ہیں مرے دل کے لگانیوالے ۔۔۔ ہمنے دیکھے ہی نہیں ایسے ستانے والے
پی چکے جام ترے ہاتھ سے جو اے ساقی ۔۔۔ حشر تک اب وہ نہیں ہوش میں آنیوالے
چاہیے تجھکو بھی ہو لاش اٹھانے میں شریک ۔۔۔ دفن ہوتے ہیں ترے ناز اُٹھانیوالے
دوست کا نام لیں کر سر بالیں دم بھر ۔۔۔ وقت آخر مجھے یسین سُنانیوالے
قتل کرنیکی ضرورت ہو تو کر قتل ہمیں ۔۔۔ او شب و روز کے تلوار دکھانیوالے
دل وہی عاشق بسمل کی نہیں کرتے ہیں ۔۔۔ شب وعدہ کبھی ہیں وہ روٹھ کے جانیوالے
آج جو عہد کیا کل اُسے توڑینگے ضرور ۔۔۔ کیسے جھوٹے ہیں یہ قرآن اُٹھانیوالے

ناز سے ہم تو بتوں کے ہوئے تنگ اے کامل
کعبہ کی سمت ہیں اب ہند سے جانے والے

جو کچھ کہ عہد ہے ترا پورا ابھی کر اُسے ۔۔۔ او بیوفا تجھے ترے ایمان کی قسم
جبتک کہ دم میں دم ہے کہونگا یہی بس یہی ۔۔۔ دیتا ہوں تجھ کو جان تری جان کی قسم

کلثوم۔ کسی شریف خاتون کا تخلص ہے۔ جس پر نام کا دھوکا ہوتا ہے مگر اچھی طرح معلوم ہے کہ نام کچھ اور ہے۔ ایک نظم ایک اجڑے دل کی فریاد کے نام سے رسالہ عصمت دہلی میں دیکھی جسکو نقل کیے دیتا ہوں

اگرچہ نظم طویل ہے مگر پڑھنے سے دل میں کیف لطیف پیدا ہوتا ہے اور ایک جذبۂ غم کی مجسم تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔ یہ خاتون خاص دہلی یا نواح دہلی کی رہنے والی معلوم ہوتی ہیں۔ زبان اور کلام کا طرز اس کا شاہد ہے۔

کثرت سے غم کی سینہ و دل داغ داغ ہے ... یاس بسیر سے اپنا پریشان دماغ ہے
ناکامیوں سے خانۂ دل بےچراغ ہے ... ایسے بھی ہونگے جنکو کہ غم سے فراغ ہے

اپنی تو ہائے زیست مصیبت میں کٹتی ہے
رنج والم میں غم میں اذیت میں کٹتی ہے

سو سو مصیبتوں سے ہیں پالا بشیر تھا ... اس بدنصیب گھر کا اجالا بشیر تھا
صورت میں خو میں سب سے نرالا بشیر تھا ... میرے چمن کا سرو و بالا بشیر تھا

چڑھتی جوانی ہی میں قضا اُس کو کھا گئی
برچھی لگا گئی مجھے زخمی بنا گئی

بیٹھے بٹھائے مجھ پہ تو بپتا سی پڑ گئی ... برچھی غموں کی ہائے کلیجہ میں گڑ گئی
افسوس یک بیک ہی قسمت بگڑ گئی ... کیسی ہری بھری مری کھیتی اُجڑ گئی

دکھیاری غم کی ماری نہ روئے تو کیا کرے

کثرت سے غم کی جان نہ کھوئے تو کیا کرے

چین آئے کیونکہ سینہ سے قلب و جگر گیا ‏ ‏ ‏ دیکھوں جہاں میں کیا مرا نور نظر گیا

افسوس میرا لاڈلا اک دم میں مر گیا ‏ ‏ ‏ ہے ہے مٹا گیا مجھے برباد کر گیا

ہے بیقرار دل مرا سیماب کی طرح

تڑپوں ہوں غم سے ماہی بے آب کیطرح

وہ دن کہاں گئے کہ وہ تھا شمع آرزو ‏ ‏ ‏ گھر میں اجالا ہو رہا تھا جس سے چار سو

ہی ہی یہ کیسی چل گئی بیوقت گرم لو ‏ ‏ ‏ نغمہ کے بدلے باغ میں ہے شور ہائے وہو

افسوس جڑ سے نخل تمنا اکھڑ گیا

دم میں ہرا بھرا مرا گلشن اجڑ گیا

آنکھوں میں میری آج سیہ ہو گیا جہاں ‏ ‏ ‏ اٹھتا ہے دل سے حسرت و ارمان کا دھواں

نکلے نہ کیونکہ دل سے مرے نالہ و فغاں ‏ ‏ ‏ افسوس لٹ گیا مرا بستی میں کارواں

کچھ رحم آیا مجھ پہ نہ اے آسماں تجھے

جل جل کے کیوں بھلا نہ میں دونگا لیاں تجھے

جب بھولی بھولی شکل کا آتا ہے مجھکو دھیان ‏ ‏ ‏ گودی میں لیٹ کر وہ سنانا کہانیاں

وہ میٹھی میٹھی گفتگو اور توتلی زبان ‏ ‏ ‏ دن رات میرے دل میں چبھوتی ہیں برچھیاں

وہ لڑکھڑا کے بھاگنا جب یاد آتا ہے

میرے جگر پہ سانپ سا اک لوٹ جاتا ہے

میری کمائی لوٹ لی تو نے جو اے قضا　　برباد میں ہوئی ترے کیا ہاتھ آگیا

مجھ دل جلی کے گھر میں فقط اک چراغ تھا　　بیدرد تو نے ہائے اُسے بھی بجھا دیا

اے موت لے گئی تو کلیجہ نکال کر

اس غم سے کیونکہ ہووے نہ ٹکڑے مرا جگر

یہ مانا حکم حق سے تو بے اختیار ہے　　بندوں کی جان لینے میں مصروف کار ہے

موت و حیات مرضی پروردگار ہے　　راہ گریز اور نہ جائے فرار ہے

پر دل کے ہاتھوں تنگ ہوں صد مگر جوش ہے

بے بس ہوں فرط رنج سے بیجا خروش ہے

نظم بہت طویل ہے مگر نمونہ کلام اس سے زیادہ بے لطف سا معلوم ہوتا ہے اس لیے اس کو یہیں پر ختم کرتا ہوں ۔

کمسن (ط) یہ بھرت پور کے بازار کی ایک بھنگیڑن تھی کبھی کبھی نشہ میں شعر بھی کہہ گزرتی تھی۔ یہ شعر خوب کہا ہے ریختی کا انداز ہے

آہ میں ہوتی اگر حضرت شبیر کے ساتھ　　مارتی شمر موے کو ستی بیر کے ساتھ

کنیز تخلص تھا فاطمہ بیگم نام تھا نصرت الدولہ بہادر لکھنوی کی دختر کی ایک لونڈی کا۔ جو نہایت ہی حاضر جواب قابل شوخ اور طباع تھی۔ پندرہ برس کی عمر میں تحصیل علوم ضروری سے فراغت حاصل کر چکی تھی کبھی کبھی شعر بھی کہتی تھی۔ مگر فلک کجرفتار کسی کے علم و کمال کو کبھی سیدھی نگاہوں سے نہیں دیکھتا۔ ابھی یہ نوجوان کنیزہ پوری بیس برس کی بھی نہ ہوئی تھی کہ یکایک اجل سے دوچار ہو کر جان آفریں کو جان سپرد کرنا پڑی یہ شعر اسی کے ہیں۔

جانتے بھی ہو پر وہ تم کہا کرتے ہو کیا | مارتے ہو زندہ کرتے ہو قیامت کرتے ہو
نقاش نے اس بت کا مرے نقش جو کھینچا | ساعد پہ نہ پہونچا تھا کہ جو ہاتھ کو کھینچا
وصل کی شب گا کیا حال ہے جی جاننے سے | جبتلک تم بند کھولو گے سحر ہو جائیگی

کنیز یہ تخلص ہے اور کنیز فاطمہ نام ہے۔ سرسری کا بری جو زنانہ حال کی ایک نکتہ رس سخن سنج ہیں ان کو اصلاح بھی دیتی ہیں اور تعلیم و تعلم میں وہی ان کے استاد ہیں ۱۹۱۰ء میں تھوڑا دالی گنج میں رہتی تھیں اب بھی شاید وہیں ہوں کچھ صحیح معلوم نہیں نمونہ کلام یہ ہے۔

رضواں تری جنت مجھے درکار نہیں ہے | طیبہ کا ترے باغ میں اک خار نہیں ہے

سر پہ جو ترا سایۂ دیوار نہیں ہے
شاہا تجھے فردوس بھی درکار نہیں ہے

کس دل میں تری حسرت دیدار نہیں ہے
خواہاں ترا کون ای شہ ابرار نہیں ہے

جس رمز کو اللہ نے فرمایا نبی سے
جبریل بھی کچھ اُس سے خبردار نہیں ہے

یا شاہ ٹھکانا ہے مرا آپ کے ہاتھوں
بیکس ہوں کوئی میرا مددگار نہیں ہے

محروم قیامت میں شفاعت سے رہیگا
پچھتائیگا جو شخص گنہگار نہیں ہے

ہم داغ غم عشق نبی سے ہیں تونگر
پروا نہیں رکھتے ہیں جو دینار نہیں ہے

بیچین ہوں بلوا لو مدینہ میں خدارا
بیتاب ہوں قابو میں دل زار نہیں ہے

روشن ہیں چراغوں کی طرح داغ محبت
تربت میں اندھیرا مری زنہار نہیں ہے

اُس دل کو کنیز اہل وفا کہتے ہیں پتھر
جس دل میں ولائے شہ ابرار نہیں ہے

کنیز تخلّص کنیز فاطمہ نام۔ چودھری نعمت اللہ صاحب ایڈوکیٹ لکھنؤ کی صاحبزادی ہیں۔ دور موجودہ کی ایک خوشگو شاعرہ ہیں۔ رسالوں میں غزلیں شایع ہوتی رہتی ہیں چنانچہ یہ غزل رسالۂ آئینہ اگست سنہ ۱۹۲۳ء سے نقل کیجاتی ہے کلام سے حسن بندش وغیرہ کا پتہ چلتا ہے۔

حاصل کرے زمانہ میں اعزاز آئینہ — بنجائے حسن والوں کا انداز آئینہ

کہدیگا صاف صاف سر بزم حسن و عشق — رکھتا ہی اپنے سینہ میں جو راز آئینہ

پنہاں ہیں اسمیں برق تجلی و شوق دید — گویا ہے حسن و عشق کا ہمراز آئینہ

حسن و جمال یار کا دنیائے عشق میں — پوشیدہ رکھ سکا نہ کوئی راز آئینہ

کہتا رہا فسانۂ ظلم و ستم کنیز

آیا نہ دھمکیوں سے کبھی باز آئینہ

کیفی۔ ایک شاہزادی کا تخلص تھا جو نسل تیموریہ سے تھی۔ غدر سے پہلے وفات پائی۔ ایک خمسہ جو قدسی کی غزل پر کہا ہی اُن سے یادگار ہے وہ ایک بند لکھتا ہوں۔

کسکا منہ ہی جو کرے مدح تری میرے نبی — نعت اطہر میں ہی جب شخص ذکی محض غبی

حبذا ذات تری مایۂ حاجت طلبی — مرحبا سید مکی مدنی العربی

دل و جان باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

حق تعالیٰ نے کیا آپ کو ابر اکرام — تجھ سے خنداں ہی لب غنچۂ امید انام

ہیں شجر اور حجر غرق سحاب انعام — نخل بستان مدینہ ز تو سر سبز مدام

زاں شدہ شہرۂ آفاق بہ شیریں لقبی

کاف فارسی

گُل (ط) نواب جان طوائف آرہ کی رہنے والی تھی۔ شعر کہتی تھی۔ موسیقی میں بھی کمال حاصل تھا۔ گویا کہ ایک مے دو آتشہ کرکے پلاتی تھی اور ارباب ذوق کو مست بناتی تھی۔ ایک شعر نذر ناظرین ہے۔

کیوں شبِ ہجر کا دھوکا نہو میرے دل کو
کھل کے زلف آئی ترے رخ پہ اگر وصل کی رات

گلزار (ط) عباسی جان طوائف مرادآبادی کا تخلص ہے جسکی اکثر غزلیں میری نظر سے گزری ہیں زمانۂ حال کی ایک شاعرۂ عصمت فروش ہے۔ دو غزلیں اسوقت موجود ہیں وہی درج کرتا ہوں۔

عاشق تمھارا اور تو کیا بد دعا کرے
میری طرح سے تم بھی ہو بیکل خدا کرے

بے چین تو نے یار کیا مجھکو جس طرح
یوں ہی تجھے بھی چین نہ آئے خدا کرے

روشن ہو عکس روئے منور سے گھر میرا
کالا ہو منہ ترا شب ہجراں خدا کرے

گلزار یہ دعا ہے کہ گلزارِ دہر میں
میرے بھی دل کا پھول شگفتہ خدا کرے

میرے تپاق و رنج سے اُس بُت کو خوشی ہے
کس کافر بدکیش پہ آیا مرا جی ہے

رہتی ہے شب غم مرے سینے میں کھٹک سی — یاد مژہ یار ہے یا پھانس چبھی ہے

کیا تمکو خبر ہے شب غم کٹتی ہے کیونکر — کیا تمکو ہے معلوم کہ کیا دل کی لگی ہے

دل تم سے لگانے کا نتیجہ تھا یہی کیا — انصاف تو کیجے نظر لطف یہی ہے

آئے نہ مجھے نیند شب غم تو اسے کیا — جو چین سے سوتا ہو اُسے کسکی پڑی ہے

بے یار کے گلزار نہیں لطف چمن کا

افسردہ مرا دل ہے کہ منہ بند کلی ہے

گنّا ۔ (ط) تخلص اور گنّا جان نام تھا ۔ لکھنؤ کی ایک شاہد بازاری تھی دو شعر تذکروں میں ملتے ہیں جو لکھے جاتے ہیں

یقین کیجئے وہ دلستاں یار نہیں — دل طپیدہ کو پہلو میں جو قرار نہیں

بنا یا مجھ کو زمانہ نے آخرش جو زنگ — کیا ہے کونسا یاروں نے مجھ پہ وار نہیں

گوہر تخلص ۔ گوہر بیگم نام ۔ ایک کابلی رسالدار کی لڑکی کا تھا ۔ جب سدوزئی اور بارک زئی کے قبیلے کابل سے ہندوستان چلے آئے تو یہ خاتون بھی یہیں آئی جو امرتسر اور بقول مصنف ماہ درخشاں لدھیانہ میں رہتی تھی فارسی اور پشتو اُن کی زبان تھی مگر اُردو میں اچھی خاصی مہارت حاصل کر لی تھی چنانچہ ان شعروں سے پتہ چلتا ہے ۔

ستم کر جور کر ظلم و جفا کر | پر اے ظالم کبھی مجھسے ملا کر
لجا کر شرم کھا کر مسکرا کر | دیا بوسہ مگر کچھ منہ بنا کر
ہمارے دل میں ہے تصویر جاناں | جو چاہا دیکھ لی گردن جھکا کر
مچل جائینگے طفل اشک میرے | نہ حاصل ہوگا کچھ مجھ کو رلا کر
عشق کیسا بلا ہوا صاحب | کس سے کہئے یہ ماجرا صاحب
غیر اچھا ہی ہوگا اپنے لیئے | ہمکو کہتے ہو کیوں برا صاحب

آپ کے جاں نثار ہم بھی ہیں | عاشق دلفگار ہم بھی ہیں
مہوش و گلعذار ہم بھی ہیں | اک بت نوبہار ہم بھی ہیں
زاہد و ہم سے کیوں تنفر ہے | صنعت کردگار ہم بھی ہیں
امتحان وفا تو ہو وے گا | تم بھی ہو اور یار ہم بھی ہیں
درد کہتا ہے مجھ سے غربت میں | تم نہ گھبراؤ یار ہم بھی ہیں
بس اٹھ گئی رسم دل لگی کی | روئے وہ جو بات کی ہنسی کی
ابرو کو جو تیرے تیغ باندھا | یہ بات تھی اک روا روی کی

چھلنی داغوں سے دل ہے گوہر
انگیا ملی ہم کو سوزنی کی

آئیے اے جانِ عالم آئیے ۔ اپنے بندہ پر کرم فرمائیے

عید آئی اور گیا ماہِ صیام ۔ چاند سا منہ آج تو دکھلائیے

سال بھر گزرا امیدِ وصل میں ۔ عید کا دن ہے گلے مل جائیے

اک گھڑی بھی بیٹھنا دو بھر ہوا ۔ دل کو سمجھا لینگے اچھا جائیے

وصل کو کہتا ہوں جب گوہر سے میں
ہنس کے کہتے ہیں کہ منہ بنوائیے

گوہر (ط) یہی تخلص تھا۔ اور یہی نام تھا۔ ایک طوائف لکھنوی الاصل تھی جو یہاں سے گوالیار چلی گئی ۔ یہ شعر اسی کے ہیں اس کو لال بی بھی کہتے تھے ۔

اے فلک اس ظلم سے کیا بڑھ گیا تیرا عروج
خاک میں ہم کو ملا یا تجھ کو حاصل کیا ہوا

ہے تجاہل خونِ ناحق کے چھپانے کے لیے
اپنے بسمل سے جو خود لیتا ہے قاتل کیا ہوا

گوہر (ط) پرتاب گڈھ کی رہنے والی ایک شاہد بازاری تھی صحبتِ احباب نے شاعر بھی بنا دیا تھا ۔

واعظو ہم سے کیوں تنفر ہے　　صنع پروردگار ہیں ہم بھی

آبرو کیوں نہ ہو عزیز ہمیں　　گوہر آبدار ہیں ہم بھی

گوہر (ط) تخلص۔ لعل بے بہا نام۔ لکھنؤ کی رہنے والی۔ تذکرہ نویسوں نے اسمیں شبہ کیا ہے کہ خدا معلوم یہ وہی ہے جو لکھنؤ سے گوالیار میں چلی گئی یا کوئی دوسری ہے بہر حال اسکے نام سے جو شعر منسوب ہیں وہ یہ ہیں:۔

تھا ابھی ذکر تمھارا کہ ابھی تم آئے　　میری تاثیر زباں کھینچ کے لے آئی ہے

مژدہ اے شوق ہم آغوش کہ جاگے ہیں نصیب　　لیکے انگڑائی وہ کہتے ہیں کہ نیند آئی ہے

راہ میں مل گیا بتخانہ بھلے کو زاہد　　کعبہ کو جا ہی چکا تھا ترے بہکانے سے

گیتی آرا۔ یہی تخلص تھا اور یہی نام تھا۔ دہلی کی رہنے والی عصمت فروش شاہد بازاری تھی جو پہاڑ گنج میں رہتی تھی ۱۲۸۵ھ میں زندہ تھی۔ ایک شعر اس کے نام سے مشہور ہے۔

ہمنشیں راہ میں وہ کوئی ٹھکانا نہ رہا　　یا ہمیں وہ نہ رہے یا وہ زمانا نہ رہا

(لام)

لالن۔ سہارنپور میں ایک زن بازاری تھی ایک شعر مل سکا حاضر ہے۔

جعدِ مشکیں میں پڑا شوخ کی واں سُرخ مُباف
آ گئی عکس سے یاں سانپ کے من میں لالی

لالہ۔ متھرا کی رہنے والی ایک ہندو طوائف تھی جو بھرتپور میں بھی رہی تھی سُنا ہے کہ قبل از غدر ۱۸۵۷ء زندہ تھی یہ ایک شعر اُسکا ایسے شخص سے سُنا جو مدتوں تک بھرتپور کی ریاست میں مُلازم رہے اُنھیں کا بیان ہے کہ اگرچہ طوائف تھی مگر تعلیم یافتہ اور قابلہ تھی ۔

داغ کھائے ہیں غم ہجر میں لاکھوں | گُل و گلزار کے مانند ہوا اب دل میرا

لطیف تخلص لطیف النسا بیگم نام تھا۔ پٹنہ عظیم آباد کی رہنے والی تھیں اُردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتی تھیں اب ایک شعر یادگار ہے ۔

طفلِ اشک مرے جس گھڑی مچلتے ہیں | تو پھر ہزار سنبھالو نہیں سنبھلتے ہیں

لطیف (ط) اللہ جوائی نام طوائف کا تخلص تھا۔ بارہ سو نواسی میں علی گڈھ میں رہتی تھی یہ شعر اُسی کا ہے ۔

آنے کا اُس پری کے مجھے اشتباہ ہے | دروازہ کی طرف مری ہر دم نگاہ ہے

ردیف میم

ماہ۔ ایک صاحب عصمت باشندۂ دہلی کا تخلص ہے جو شاہ

قطب الدین عرف کالے میاں کی مرید تھی صاحب دیوان گزری ہے اب دیوان مفقود ہے اور ایک شعر مستزاد کا موجود ہے۔

ماہ کے دل میں ترا نقش محبت جو ہے یار نہ مٹے گا وہ کبھی
باغ جنت بھی کوئی دیوے تو درکار نہیں تیرے کوچہ کے سوا

ماہ - منجھلی بیگم ساکنہ لکھنؤ کا تخلص ہے جسکا اور کچھ حال معلوم نہیں۔

گر مقابل عارض جاناں کے اک دم آئے گل شرم سے بلبل کو پھر ہرگز نہ منہ دکھلائے گل
کاکل میں میرے دل کو گرفتار کر چلے کالی بلا سے ہائے مجھے مار کر چلے

ماہ - تخلص منجھلی بیگم نام دہلی کی ایک مستورہ بے عصمت کا ہے۔ ایک شعر جو لکھا جاتا ہے اُسی کے نام سے مشہور ہے۔

ماہ کا ہیدہ ہوا جاتا ہے ابرو دیکھکر دیکھ لو بنکر کے نکلا آج وہ شکل ہلال

ماہ لقا (ط) یہی تخلص تھا اور یہی نام تھا۔ حیدر آباد دکن کی ایک شاہد بازاری تھی جو راجہ چندو لال کی سرکار میں ملازم رہ کر متموّل ہوگئی تھی اور اسی صحبت نے اُسکو شاعر بھی بنا دیا تھا۔

پہلے ہی سے چلا کے مرے دل کو ستا مت اے مرغ سحر حیف ابھی رات پڑی ہے

مبارک تخلص - مبارک النساء بیگم نام - شاہ نجم الدین صغیر خلف

شاہ نصیر کی اہلیہ تھیں ۱۲۸۰ھ تک دہلی میں رہیں اسکے بعد ہجرت کرکے مکہ معظمہ ادام اللہ شرفہا میں جا رہیں۔ شاہ نصیر کی شاگرد تھیں۔ اکثر اشعار میں سوز و گداز عارفانہ ہوتا تھا

مجھے کیا خوف محشر ہو مبارک دن قیامت کا | پکڑ لونگی میں گوشہ دامن جاتون جنت کا
عذاب گور کی سختی آہی کیونکہ جھیلونگی | تھکا ہارا ہوا آیا ہوں میں پہلی ہی منزل کا

محبوب۔ تخلص سلطان جہاں بیگم نام محبوب محل خطاب تھا۔ واجد علی شاہ بادشاہ اودھ کی منکوحہ تھیں۔ نہایت نیکدل ممتاز عفیفہ تھیں۔ شاعری سے ذوق طبعی رکھتی تھیں اور اپنے معاصرین میں ان کو ایک درجہ امتیازی حاصل تھا ایک غزل لکھی جاتی ہے۔

اٹھا سکی نہ مصیبت فراق یار میں روح | نکل گئی تن لاغر سے انتظار میں روح
نکلی حسرت دل ایک بھی کہ موت آ گئی | ہمیشہ تڑپے گی تیرے لئے مزار میں روح
جو آنا ہو تجھے مد نظر تو آ ظالم | نکل نہ جائے کہیں تیرے انتظار میں روح
نہیں ہے گور کی تنگی سے کچھ ہمیں وحشت | رہیگی بعد فنا کے بھی کوئے یار میں روح
ہے آرزو تیرے ہاتھوں سے قتل بھی ہم ہوں | لگی ہوئی ہے تری تیغ آبدار میں روح
اسی کے حکم سے ہے موت زندگی محبوب | حقیقتاً ہے مری دست کردگار میں روح

مخفی تخلص سلطان جہاں بیگم نام اہلیہ مرزا قادر بخش صابر گورگانی۔ خلف مرزا اکرم بخت بہادر ابن مرزا خورد بہادر نبیرۂ مرزا معز الدین جہاندار شاہ بادشاہ دہلی شاگرد عبدالرحمن خاں احسان۔ و مولوی امام بخش صہبائی (مصنف تذکرۂ گلستان سخن۔ یہ شعر اُن سے یادگار ہیں ۔

لنڈھائی مَیں کہ بیں خفتگاں خاک شراب ۔۔۔ قسم خدا کی عجس کو بڑا ثواب ہوا
خُدا جانے کیا بات ہے اسمیں مخفی ۔۔۔ کہ اس ظلم پر جی کو بھاتا بہت ہے

مخمور (ط) تخلص حسینی جان نام حسینی بائی عرف عام۔ بنارس محلہ دال منڈی کی ایک مشہور طوائف تھی شعر کہتی تھی اور خوب کہتی تھی۔ ملاحظہ فرمائیے ۔

کہا یہ دیکے جنازے کو یار نے کاندھا ۔۔۔ سفر ہے دور کا یارو قدم بڑھائے ہوئے
قرار و صبر حواس و دل و جگر چھوٹے ۔۔۔ تمھارے عشق میں اپنے جو تھے پرائے ہوئے
شہید ہم ہیں ہمیں احتیاج غسل نہیں ۔۔۔ کسی کی تیغ کے پانی سے ہیں نہائے ہوئے
اگر خدا کے نہ قہر و غضب کا خوف آئے ۔۔۔ تو نیکے عشق میں بیشت خاک کیا کرے

مُزیب (ط) زینت جان نام تھا۔ لکھنؤ کی ایک طوائف تھی۔ یوسف خاں یوسف ولد رحمت خان غوری باشندہ لکھنؤ کی شاگرد تھی۔

خوب شعر کہتی تھی۔ نمونۂ کلام کے لئے ایک شعر لکھا جاتا ہے ۔

ہوگئی ہے شام اب تو تیرے کوچہ کے قریب

شب کی شب رہنے دے او ظالم ذرا منزل کے پاس

مستور تخلص تھا مستور بیگم نام تھا۔ لکھنؤ کی رہنے والی خوشحال رئیسہ اور صاحب لیاقت خاتون تھیں یہ شعر انھیں کا ہے ۔

خزاں میں بھی نہ کسی سال کم ہوئی وحشت　　رہا ہے اپنا گریبان بے رفو برسوں

مشتری (ط) لکھنؤ کی ایک نہایت مشہور و معروف شاعرہ شاہد بازاری تھی جس کا نام قمرن جان منجھو عرف تھا۔ اصل وطن خیرآباد ضلع سیتا پور تھا۔ مگر آب و دانہ لکھنؤ لے آیا تھا۔ چوک لکھنؤ میں رہتی تھی۔ موسیقی میں اسکو کمال تھا۔ خوشنویس بھی نہایت اچھی تھی شعر بھی کہتی تھی اور خوب کہتی تھی۔ اردو۔ فارسی دونوں زبانیں جانتی تھی۔ آغا علی شمس کی شاگرد تھی۔ مولوی عبدالغفور صاحب نساخ جب لکھنؤ آئے تو اس سے ملنے کے لئے بھی گئے تھے۔ اسکے شعر اب بھی لوگوں کو بہت سے یاد ہیں اگرچہ یہ صاحب دیوان تھی مگر مجھے صرف یہی شعر ملے جو لکھتا ہوں ۔

ناحق ہیں ناز حسن سے یہ بے نیازیاں　　بندہ نواز آپ کسی کے خدا نہیں

قاتل کے ہاتھ پاؤں سے سُرخی نہ جائیگی　　خونِ شہیدِ ناز ہے رنگ حنا نہیں

پالا پڑا ہے کس بُتِ بدخو سے ای خُدا　　اپنے سوا کسی کو جو پہچانتا نہیں

اُسوقت آپ میری عیادت کو آئے ہیں　　جب سُن چکے گلے سے اُترتی دوا نہیں

ناکسوں سے ربط بد ضعوں سے صحبت واہ واہ　　دیکھ لی حضرت سلامت میرزائی آپ کی

شیخی کی لیا کریں فرشتے　　جانے کی وہاں مجال بھی ہو

غفلت میں ہم انکو دیکھتے ہیں　　ہو خواب بھی کچھ خیال بھی ہو

باتیں تو وہ کرتے ہیں خوشی کی　　چہرے سے عیاں ملال بھی ہو

ہیں آسمیں وہم و گماں کیسے کیسے　　یہاں کیسے کیسے وہاں کیسے کیسے

سہے ہم نے جورِ بتاں کیسے کیسے　　اُٹھائے ہیں کوہِ گراں کیسے کیسے

ملے خاک میں جورِ گردوں دوں سے　　مکیں کیسے کیسے مکاں کیسے کیسے

دل میں سمجھا چشم کا بیمار ہے　　جسنے میری ناتوانی دیکھ لی

تیری نظروں میں ہے یکساں نیک و بد　　اے میصر قدر دانی دیکھ لی

بے مروت کر دیا اُس ماہ کو　　آسماں کی مہربانی دیکھ لی

جیتے رہتے بھی تو مشکل تھی رہائی ہمکو　　سستے چھوٹے جو ترے ہاتھ سے مر کر چھوٹے

اس سے تو وصل کے ارمان میں مرنا بہتر　　یا الٰہی نہ کسی سے کوئی مِل کر چھوٹے

ماڑ ڈالا مجھے اے مشتری اس زینت نے
زلفیں چھوٹیں کہ مرے واسطے اژدر چھوٹے

دمِ اخیر جو بسمل کی طرح دم پھڑکا | قضا کے بھیس میں آیا وہ فتنہ خو تو نہیں
کافی ہے رگِ جاں کے لئے نشترِ مژگاں | عاشق کو ترے حاجتِ فصاد نہیں ہے
شاید کسی مخمور کا ہے آبلۂ دل | یہ گنبدِ چرخ ستم ایجاد نہیں ہے
اس صفحۂ دلپر ہے تری آنکھ کا نقشہ | کیجے نظری جسکو وہ صاد نہیں ہے

مطلوب۔ موسوم بہ فضل النساء بیگم۔ ایک مستورۂ عفیفہ تھی جو کوہ شملہ کی رہنے والی تھیں اور باوجود مرکزِ زبان سے دور ہونیکے بھی شعر کہتی تھی شعر یہ ہیں

کیوں نمک پاش نہ ہو زخمِ جگر پہ ہر دم | مسکرانا ترا ای رشکِ قمر وصل کی رات
اللہ اللہ ری مدہوشی جامِ اُلفت | جان و تن کی نہ رہی کچھ بھی خبر وصل کی رات
پاؤں میں وحشی کے ہے زلفِ جنوں کا حلقہ | آنکھ دکھلاتا ہے پھر حلقۂ زنجیر عبث
نظرِ لطف سے ان کو بھی کبھی دیکھا کر | کیا گزرتی ہے تری چشم کے بیماروں پہ

معشوق۔ بی صالحہ بیوہ دن ساکنۂ کلکتہ کا تخلص تھا۔ جو بی سیرہ متخلص بہ پری کی چھوٹی بہن تھی یہ شعر یادگار ہیں :-

ہجر میں پہلو کو خالی دیکھکر حیران ہے | پوچھتا ہے جان سے میرا جگر دل کیا ہوا

جو کھنچے تم سے کرو تم اُس سے جانانہ مزاج
ہم فقیروں سے کہیں نہ سیاہی تنا ہا نہ مزاج

دولت حسن خلیق ادا اور یہ بخل اچھا نہیں
ای حسینو! چاہیے تم کو کریمانہ مزاج

یا ہمیں تھے راز جس پر کوئی پوشیدہ نہ تھا
یا ہمیں سے اب نہیں ملتا ہے جانانہ مزاج

حضرت ناصح سے سیدھی بات بھی کرتا نہیں
ای پری کرتا ہے کتنا تیرا دیوانہ مزاج

پڑ گیا پرتو مگر زلف سیاہ یار کا
بل کی لیتی ہے مگر کرتا ہے اشبانہ مزاج

ہو جوان نام خدا اٹکھیلیوں کے دن نہیں
سوچیے کچھ تو صنم تا کے یہ طفلانہ مزاج

کردیا معشوق کو سودائی اک معشوق نے

ہوگیا عشاق کے مانند دیوانہ مزاج

نام سنتے ہیں نہیں دیکھی مگر وصل کی رات
ہوگئی کیا گرہ موئے کمر وصل کی رات

شام ہی کو اُسے جاتے ہوئے میں نے دیکھا
۱۵؂ سنتے تھے پچھلے کو کرتی ہے سفر وصل کی رات

معشوق تخلص حیدری خانم نام تھا فیض آباد کی رہنے والی تھیں
شعر بہت کہتی تھیں مگر اب ایک ہی شعر موجود ہے جو درج تذکرہ کیا جاتا ہے

پان کھا کر جو کہیں تھوک دیا اُس گل نے
رشک یاقوت بنے باغ کے کنکر پتھر

مُغل (ط) بیبا جان مشہور بہ مغل جان بنت امیر بیگم کا تخلص تھا۔ دہلی
اِملی والی پہاڑی کے محلہ میں رہتی تھی ۔ مگر گلاب سنگھ کشمیری ۔ لوہی کے تعلق سے

پیدا ہوئی تھی گانے بجانے میں مہارت تامہ رکھتی تھی شعر بھی کہتی تھی۔ جب جوانی کا عہد ختم ہو گیا تو منہیات سے توبہ کر لی تھی۔ نمونۂ کلام یہ ہے ۔

نعش خون آلودہ میری کیوں نہیں کی پائمال — پانوں لگنے کو ترے کیا یہ حنا تھی میں نہ تھا

جبکہ اُس قاتل نے قتل عام پر باندھی کمر — وائے ناکامی کہ واں خلق خدا تھی میں نہ تھا

زلف کے بوسہ پہ ناحق مجھ سے برہم ہو گئے — یہ دل سودائی کی پیارے خطا تھی میں نہ تھا

شاخ گل گلشن میں اُس پر اسطرح دوڑائے ہاتھ
اے مُغل کیا کیجیئے اُس گل کا ساتھی میں نہ تھا

بیوفائی نہ کر خدا سے ڈر — خود نمائی نہ کر خدا سے ڈر

بحر اُلفت کی انتہا ہی کہاں — آشنائی نہ کر خُدا سے ڈر

بیوفاؤں سے کیا وفا ہو گی — آشنائی نہ کر خدا سے ڈر

ظاہری زہد کو بھی دیکھ لیا — پارسائی نہ کر خدا سے ڈر

ہے حیا کچھ بھی دین و دنیا کی — بے حیائی نہ کر خدا سے ڈر

کیوں جلاتا ہی اور مارتا ہی — بُت خدائی نہ کر خدا سے ڈر

دست نازک کا کچھ خیال تو رکھ — یوں کلائی نہ کر خدا سے ڈر

سوزن ظلم سے تو خستہ یا طن — یوں سلائی نہ کر خدا سے ڈر

وہ بُرا ہے تو اُسکو ہونے دے | تو بُرائی نہ کر خدا سے ڈر
منتوں سے منا رہا ہے وہ | اب ڈھٹائی نہ کر خدا سے ڈر

ہے مغل رات دن تجھے قرباں
اب جُدائی نہ کر خدا سے ڈر

حال دل کا جو کچھ کروں اظہار | واجب الرحم سمجھے وہ دلدار
لیک ہے مہر خامشی لب پہ | چپکا بیٹھا ہوں مثل نقش جدار
ہے توقع یہ اپنے نالوں سے | جلد ہوں سینۂ عدو سے پار
دیکھیے کب خدا ملاتا ہے | یار سے یار کو دوبارہ یار

رات دن اے مغل تصوّر میں
مثل بلبل رہوں ہوں زار نزار

ملکہ تخلص تھا۔ انی نام تھا۔ بلاکیر صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس شہر کلکتہ کی لڑکی تھیں۔ نہایت حسین خوشرو تھیں۔ ولایت ہی میں پیدا ہوئیں لیکن شاید تربیت و تعلیم ہندوستانی تھی۔ موسیقی میں بھی اچھا خاصہ ملکہ تھا۔ ستار عمدہ بجاتی تھیں۔ کلکتہ ہی میں قیام تھا۔ کبھی کبھی شعر کہتی تھیں اور اپنا کلام مولوی عبدالغفور صاحب نساخ مؤلف تذکرہ سخن شعرا کو دکھاتی تھیں

خدا معلوم مولوی صاحب کی صحبت نے اثر کیا یا کیا اسباب پیش آئے کہ آخر کار دین مسیحی کو چھوڑ کر مشرف بہ اسلام ہو گئیں۔ آج یہ شعر اُن سے یادگار ہیں۔

ہو گئی نیند بھی ہمسایہ کی تا صبح حرام
میں نے نالہ جو کسی رات سرِ شام کیا

آہ و زاری نہیں سنتا بخدا اتوں کو
اُس صنم کو ملکہ ہی نے مگر رام کیا

ہجر میں دل کو بیقراری ہے
جوش فریاد آہ و زاری ہے

آنکھیں پتھرا کے ہو گئی ہیں سفید
کسی بُت کی جو انتظاری ہے

منوّر ۔ منوّر جان نام کرنال کی ایک مشہور طوائف تھی نمونۂ کلام ملاحظہ ہو

تم سُنو یا مت سنو اے جان من
پر دعا ہر صبح دے جاتے ہیں ہم

مہر (ط) تخلص جھنیا جان نام۔ کالی عرف تھا کرنال کی رہنے والی تھی غدر تک زندہ رہی۔ نمونۂ کلام یہ ہے۔

بوقت نزع بالیں پہ مری آئے تو کیا آئے
دم آخر جو تمکو ایک دم دیکھا تو کیا دیکھا

یُوں چمکتا داغ ہجراں مہر کے سینے میں ہے
جس طرح فانوس میں ہو زیر پیراہن چراغ

ہم کو سینہ سے لگانا چاہیے
غیر کی چھاتی جلانا چاہیے

مہتاب (ط) اسی نام کی ایک قاصبہ بریلی کی رہنے والی تھی ایک شعر

تذکرہ ماہ درخشاں سے نقل کیا جاتا ہے ؎

دل اُٹھاتا ہے مرا جور و جفا کیا کیا کچھ | آہ کرتا ہے وہ عیار دغا کیا کیا کچھ

مہک (ط) تخلص گن جان طوائف۔ خوش مزاج۔ خوش خو۔ شاگرد امداد حسین رضا لکھنوی

ہمنے اُن سے جو گِلا درد جدائی کا کیا | رو دیے تھام کے ہاتھوں سے جگر وصل کی رات

قتل منظور اگر ہے تو چڑھاؤ ابرو | ہم تو مُدت سے گلے ملتے ہیں تلواروں سے

بس رہی ہے کیا کسی کی زلف میں | آج کچھ مہکی ہوئی آتی ہے رُوح

کون سوتا ہے گلے لپٹا ہوا | ناز کرتا دل ہے اٹھلاتی ہے روح

(نون)

ناز۔ ایک شہزادی کا تخلص تھا جن کا نام عالم آرا بیگم تھا خاندان تیموریہ سے تھیں۔ غدر سے پہلے ایام شباب تھے۔ اُسی وقت جوش میں شعر بھی فرماتی تھیں۔ اگرچہ زندہ بہت زمانہ تک رہیں مگر آخر میں شاعری ترک کر دی تھی یہ شعر ہیں۔

شور ہے اُسکی بے وفائی کا | بس نہیں چلتا واں رسائی کا

مگر غلامی علی کی تو اے ناز   ہے اگر شوق بادشاہی کا

مجھ سے روٹھا وہ یار جانی ہے   جان جانے کی یہ نشانی ہے

ناز - شفیق بیگم نام ہے زمانۂ حال کی خوشگو شاعرہ ہیں شعر سے نہایت نزاکت خیال کا پتہ چلتا ہے زیادہ حال معلوم نہیں ایک غزل دستیاب ہوئی ہے وہی درج ہے -

نقاب عارض روشن ہٹا کر مسکرا دینا   ہمارے خرمن دل پہ ذرا بجلی گرا دینا

خرام ناز سے تربت پہ اک ٹھوکر لگا دینا   مری سوتی ہوئی تقدیر کو آ کر جگا دینا

لگی ہے آگ سینہ میں بھڑکا جاتا ہے دل میرا   ذرا ای چشم تر بڑھتے ہوئے شعلے بجھا دینا

نہیں ہے رونے والا کوئی بھی بیکس کی میت کا   تمھیں آ کر ذرا اشکوں کے دو قطرے گرا دینا

تمھارے کشتۂ اُلفت کی بس اتنی وصیت ہے   کہ بعد مرگ ہاتھوں سے مری میت اُٹھا دینا

حوادث سے زمانہ کے نہ گھبرانا کبھی اے ناز

خُدا کے ہاتھ ہے بگڑی ہوئی قسمت بنا دینا

ناز (ط) تخلص گلاب شاہد بازاری کا تھا جو آرہ میں رہتی تھی - خواجہ فخرالدین حسین متخلص بہ سخن تلمیذ مرزا غالب مصنف سروش سخن وغیرہ کی شاگرد تھی - جو غدر کے بعد تک زندہ رہی -

امید زیست کیا نفس واپسیں ہے اب | پھر جذب دل دکھائیگا اپنا کمال کب
فرقت تیغ نگاہِ یار میں | نیمجاں کی طرح تڑپاتی ہے روح

ناز (ط) تخلص ۔ بندی جان طوائف عظیم آبادی کا تھا ۔ جو علم انگریزی و فارسی میں اچھی خاصی قابلیت رکھتی تھی ۔ کشیدہ کا کام بھی خوب اچھی طرح جانتی تھی ۔ حکیم آغا حسین ازل کی شاگرد تھی ۱۲۸۹ھ تک زندہ تھی اب کا حال معلوم نہیں ؎

شب وصل کرتے ہو عاشق سے حجت | نکالا ہے تم نے یہ جھگڑا کہاں کا
ارے آسماں میرے نالوں سے ڈر تو | ارادہ یہ رکھتے ہیں اب لامکاں کا
بچھڑا ہوں میں یاروں سے بھولا ہوں منزل | نشاں دے مجھے اب کوئی کارواں کا
وہ خنجر یہ سر دونوں حاضر ہیں اسدم | ارادہ ہو دل میں اگر امتحاں کا

ناز (ط) تخلص بندی جان نام ۔ آرہ کی ایک حسین طوائف تھی ۔ یہ دو شعر اسی کے ہیں ؎

کچھ تو بولو منواہی شک قمر وصل کی رات | پھر خدا جانے کب آوے مرے گھر وصل کی رات
منھ سے بولو تو سہی کاہے کی گھبراہٹ ہے | بات کی بات میں ہو تی ہے سحر وصل کی رات

ناز (ط) تخلص اچھی بی نام ۔ لکھنؤ کی ایک عصمت فروش شاہدہ بازاری تھا

جو مرزا فدا حسین فضا سے اصلاح لیتی تھی

دل جل گیا حرارت داغ فراق سے اس آفتاب حشر کا ہوگا زوال کب

ناز۔ (ط) امراؤ جان طوائف سندیلہ ضلع ہردوئی کی رہنے والی تھی
پھر خیرآباد میں چلی آئی تھی نہایت طبیعت دار تھی حالانکہ زیادہ استعداد علمی نہ تھی
مگر خوب شعر کہتی تھی چند شعر حاضر ہیں۔

قید میں پڑ گئی کڑی کس پر درد تھا نالۂ سلاسل میں
کاش چھیڑے مجھے کوئی اُس سے شب ہجراں بڑی ہی مشکل میں
لوٹتی پھرتی تھی قضا ہمراہ کیا ادا تھی تمہارے بسمل میں
مانا نکلے نہ آرزو نہ سہی آرزو بنکے آئیں تو دل میں
بڑھائیں بات کسی کو گلے سے مطلب کیا عدو سے بحث ہے کچھ مجھ سے گفتگو تو نہیں
کچھ تبسم سا لب ناز پہ نیچی نظریں کن اداؤں سے شب وصل وہ شرماتے ہیں
جی بھر آیا بس ایک آہ کے ساتھ جوش حسرت اٹھا نگاہ کے ساتھ
دل کو بیدرد چھیل کر نکلی ٹکڑے ٹکڑے کچھ آئے آہ کے ساتھ
دیکھتے آنکھ سے کیوں خون تمنا ہوتے بات بنتی جو ہم اُن کے لب گویا ہوتے
چھیڑ رہا ہے کسی کا ناوک ناز گدگدی سی جگر میں اٹھتی ہے

ناز (ط) بی جان طوائف سکنۂ فرخ آباد کا تخلص تھا نمونۂ کلام درج کیا جاتا ہے

زہرہ بلائیں لینے لگی آسمان پر ۔۔۔ توڑا لیا جو ناچ میں اُسنے اُٹھلکے ہاتھ

اُن کو جانا تھا سے پاس گر وقت اخیر ۔۔۔ شکل اکبار مجھے اور دکھاتے جاتے

ناتوانی کا بُرا ہو نہیں اُٹھنے دیتی ۔۔۔ رہ گئے کوچۂ دلدار میں جاتے جاتے

اُنکی محفل میں کہاں ہم سے غریبوں کا گذر ۔۔۔ دیکھ لیتے ہیں مگر راہ میں جاتے جاتے

محفل میں رقیبوں سے اُلجھ پڑتا ہوں ۔۔۔ گو وہ ہر بات پہ زانو ہیں دباتے جاتے

خیر وہ بھی ہمیں کیا یاد کرینگے اے ناز

دل تو دیں انکو دیئے جاتے ہیں جاتے جاتے

ہاتھ جینے سے جبکہ دھو بیٹھے ۔۔۔ بحر الفت میں دل ڈبو بیٹھے

ہم تو جاتے ہیں وستم ایجاد ۔۔۔ تیرے پہلو میں چاہے جو بیٹھے

میری تربت دکھا کے کہتے ہیں ۔۔۔ اپنے ہاتھوں یہ جان کھو بیٹھے

بیمروت ہے ناز وہ گلرو ۔۔۔ تم تو بیکار دل کو کھو بیٹھے

ناز (ط) تخلص گیتی آرا بیگم بنت گمانی بیگم دہلوی کا تھا۔ نہایت خوش مزاج چالاک تھی اور بہت عمدہ شعر کہتی تھی نمونۂ کلام کے لئے کچھ شعر لکھے جاتے ہیں جو اُسکی طباعی کا آئینہ ہیں

وصال یار کا ساماں جہاں بنا بگڑا — ہمارا کام یونہی ہر زماں بنا بگڑا
تمھارے پاؤں کے ناخن کی ہمسری نہ ہوئی — ہلال لاکھ سر آسماں بنا بگڑا
ہمارے عین لکھنے پر ہزاروں صاد کرتے ہیں — یہ عین انکی عنایت ہے کرم ایزاد کرتے ہیں
تم تو باز آگئے جفا کر کے — ہم نے مارا نہ دم وفا کر کے
ہم نے دکھلا دیا کمال عشق — ابتدا ہی میں انتہا کر کے
مرا دل زلف کو زنجیر یا دام بلا سمجھے — ہزاروں پیچ ہیں جسمیں اُسے انسان کیا سمجھے
غلط فہمی ہی اپنی آپ کو ہم باوفا سمجھے — بڑا دھوکہ ہوا نا آشنا کو آشنا سمجھے
تمھیں ہم دوست سمجھے دوست کو نا آشنا سمجھے — ہمیں ناداں تھے صاحب جو تم سمجھے بجا سمجھے

ناز (د) تخلص امیر جان بنت گوہر جان طوائف۔ لکھنؤ کی رہنے والی تھی فکر شعر میں بھی کچھ اوقات صرف کرتی تھی۔ نمونہ کلام ملاحظہ فرمائیے ۔

اپنے پہلو میں جگہ دی سر محفل مجھکو — دل دہی یار نے کی دیکھ کے بیدل مجھکو
اور مہماں ہوں کوئی دم کا ذرا ٹھہرو تو — کیا چلے جاؤ گے اب چھوڑ کے بسمل مجھکو
اُلفت یار سے بس ہوگا نہ حاصل مجھکو — خاک میں غم یہ ملائے گا مرا دل مجھکو
گرمیاں یار نے کیں غیر سے میرے آگے — صفت شمع جلایا سر محفل مجھکو
لیگیا بام پہ وہ حور شمائل مجھکو — آج رتبہ ہوا معراج کا حاصل مجھکو

کر کے تیغِ نگہ ناز سے بسمل مجھ کو　　دیر تک غور سے دیکھا کیا قاتل مجھکو
جس کا دیوانہ و سرگشتہ پھرا کرتا ہوں　　اُسی لیلی کا دکھاوے کوئی محمل مجھکو

ہو مبارک تمکو ای ناصح حکیمانہ مزاج　　ہم سڑی سودائی ہیں رکھتے ہیں دیوانہ مزاج
وہ ترا عاشق جو کل تک تھا فلاطوں ای پری　　کہہ رہا تھا آج ناصح اُس کو دیوانہ مزاج
رشک مہر و ماہ اب کہیئے نہ کیونکر آپ کو　　آسماں پر آجکل رہتا ہے جانانہ مزاج
ترک اُلفت کو جو مجھ سے کہہ رہا ہے ناصحا　　کب قبول اُسکو کریگا کوئی فرزانہ مزاج
داغ سودا تاج ہے اقلیم صحرائے جنوں　　ای پری ہے تیرے دیوانوں کا شاہانہ مزاج
واہ وا ای عشق کیا کہنا ترا شاباش ہے　　ہو گئے اپنے یگانے ہم سے بیگانہ مزاج
ناز کر نازاں جناب شیخ کو طاعت پہ ہے
اُسکی رحمت پر ہیں نازاں جو ہیں رندانہ مزاج

جذبۂ دل نہ دکھاتا جو اثر وصل کی رات　　وہ کسی طرح نہ رُکتے مرے گھر وصل کی رات
پاؤں پڑ پڑ کے جو ہم کہتے ہیں دل کا مطلب　　کچھ وہ شرما کے جھکا لیتے ہیں سر وصل کی رات
بخت خفتہ کبھی جاگیگا نہ مجھ وحشی کا　　غل مچاتی ہے مرے پانوں کی زنجیر عبث

نازک تخلص نازک بیگم نام ہے۔ کسمنڈی کی رہنے والی کوئی عفت مآب

خاتون ہیں دورِ موجودہ کی ایک خوش فکر شاعرہ ہیں۔ کلام سے نسائیت کی
بو آتی ہے مردانہ طرز ہیں ہے۔ ایک غزل حاضر ہے ۔

اگر وہ دردمندانِ محبت کا گلا سنتے — تو کاہیکو زبانِ خلق سے اچھا برا سنتے
ذراسی بات تھی عرضِ تمنا پر بگڑ بیٹھے — وہ میری عمر بھر کی داستانِ عشق کیا سنتے
مرا افسانۂ غم خود کہا جاتا نہیں مجھ سے — مرے ہمدرد کیا سنتے مرے غمخوار کیا سنتے
نہ دل دیتے حسینوں کو نہ دم بھرتے محبت کا — مرے منہ سے مرا قصہ جو اربابِ وفا سنتے
لکھا تو ہے انھیں نامہ مگر یہ خواہشِ دل ہے — ہماری ہی زباں سے وہ ہمارا ماجرا سنتے
وہ عالم ہی عجب تھا سیکڑوں دل میں امنگیں تھیں — نصیحت ابتدائے عشق میں ناصح کی کیا سنتے
یہ حسرت آخری حسرت ہے بیمارِ محبت کی — کسی صورت سے وہ حالِ دلِ درد آشنا سنتے

ہوا ہے جلوہ گاہِ عام میں جلوہ نما کوئی
کبھی اے کاش نازک ہم بھی یہ دلکش صدا سنتے

نازک (ط)۔ زینت جان طوائف دہلوی کا تخلص تھا۔ قدیم رنگ سے
پتہ چلتا ہے کہ شاید میر سودا وغیرہ کے وقت میں تھی ۔

ہے نالہ وزاری کا مری شور فلک تک — پردہ بتِ گلفام کوئی کان دھرے ہر
یاد آتی ہے ان انکھوں میں آمد وہ نشے کی — ساقی نے گلرنگ سے جب جام بھرے ہر

نازک (ط) فتنہ جان طوائف مرزا شاہ رُخ بہادر دہلوی کی گاینوں میں تھی۔ فارسی زبان اچھی جانتی تھی۔ پھر مناجان طوائف کی نوچی بنکر رہی بڑی عیارہ فتنہ پرداز تھی۔ بات بات میں حریفان عشق میں فساد کرادیتی تھی اور آپ پھر اچھی کی اچھی رہتی تھی اس کے دیکھنے والوں کو میں نے بھی دیکھا ہے آخر میں اسنے نکاح کرلیا تھا اور معاصی سے تائب ہوکر گوشۂ قناعت میں بیٹھ گئی تھی

کہتا ہوں میں خدا سے یہ لب با جراے دل — ایسا نہو کہ میر کسی بت پر آئے دل
ڈرتے رہو خدا سے بتو ظلم مت کرو — ایسا نہو کہ تمکو کوئی دے سزاے دل
نازک شب فراق میں اتنا نہ روئیے — اشکونکی جا نکل نہ پڑیں لختہاے دل

نازنین کسی مجہول الحال عورت کا تخلص جسکے نام مقام اور کام کا کچھ حال نہ مجھے معلوم ہوا۔ نہ میرے پیشرو تذکرہ نویسوں کو۔ مجبوراً یونہی کلام نقل کیے دیتا ہوں۔

رک گیا دل جو مرا قابل افغاں ہوکر — رہ گئے ہم بھی دہر کے ساماں ہوکر
اپنے کشتہ کو تو ٹھوکر سے جلاتے جاؤ — پھر کے جاتے ہو کہاں عیسیٰ دوراں ہوکر

نازنیں جوش صفا یہ ہے کہ میرا کینہ
رخ سے ظاہر ہے ترے قلب میں پنہاں ہوکر

جوہر خنجر قاتل جو گل افشاں ہوجائے — تن مجروح مرا رشک گلستاں ہوجائے

دم مسیحا نہ بھریں اپنی مسیحائی کا — گر کہیں شہرۂ جاں بخشی جاناں ہوجائے

امتحان دل عاشق جو نہیں ہے منظور — یا خدا جلد یہ مشکل کہیں آساں ہوجائے

دل میں میرے ہے خیال زلف جاناں آجکل — دیکھتا ہوں روز میں خواب پریشاں آجکل

سر میں سودا ہے مرے زلف سیاہ یار کا — خوش مجھے آتی ہے سیر سنبلستاں آجکل

جب کہیں پرتو فگن تیرا رخ روشن ہوا — گھر بنا برج قمر روشن ہر اک روزن ہوا

دم بدم بسمل تڑپتا خوب جی کو کھول کر — پر از آب موز اے قاتل ترا دامن ہوا

جان دی میں نے جو اس چشم سیہ کے عشق میں — سیر گاہ آہوان چیں مرا مدفن ہوا

کس صاحب حیا کی آمد ہوئی چمن میں — نرگس نے منہ چھپایا پتوں کے پیرہن میں

اُس مہروش نے رُخ کو کاکل میں جب چھپایا — چوٹی کی بات سوجھی مہ چھپ گیا گہن میں

نجیبن (ط)! دہلی کی ایک بازاری عورت کا تخلص تھا۔ ایک شعر کے سوا اور نہ کوئی حال معلوم ہوا نہ شعر ملا۔

ٹک دیکھو بعد مرگ مرے انتظار کو — نرگس نے چھا لیا ہے ہمارے مزار کو

نزاکت (ط) تخلص، مجو نام تھا۔ نارنول کی ایک طوائف تھی جو بچپن ہی سے دہلی میں رہی اور یہیں جوان ہوئی نہایت مہذب حسین خوبصورت تھی

نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ رئیس جہانگیر آباد مرحوم اُس پر شیفتہ و فریفتہ تھے نواب صاحب کے فیضِ صحبت نے شاعر بھی بنا دیا تھا۔ یہ شعر تذکرۂ گلشن بےخار میں اُسی کے نام سے درج کئے ہیں۔

بسکہ رہتا ہی یار آنکھوں میں ۔۔۔ ہی نظر بار بار آنکھوں میں
محفلِ گلرخاں میں وہ عیار ۔۔۔ لیگیا دل ہزار آنکھوں میں
سُرمۂ خاک پا عنایت ہو ۔۔۔ آگیا ہی غبار آنکھوں میں
کہیئے جو رقیبوں سے بُرائی تو کہے وہ ۔۔۔ ہے وہ ہی وفادار جو ایسوں سے نبا ہے
پڑا ہی خونِ دل سر سے قدم تک جا بجا میرے ۔۔۔ بنایا تھا مجھے گویا کہ خاک کوئے قاتل سے
کہتا ہی آپکی بھی ہی کیا عاشقی غلط ۔۔۔ گر کہیے تیرے عہد میں اُلفت نہیں رہی
کیا کیا عذاب اُٹھائے ہیں اندوہ عشق کے ۔۔۔ جز نام اب تو کچھ بھی نزاکت نہیں رہی
ہوں نزاکت ویلے کوئی کیا ذکر ۔۔۔ دمِ رخصت ترے سنبھال سکے
کیوں نہ میں قربان ہوں جب وہ کہے ناز سے
ہم کو جفا کا ہے شوق اہل وفا کون ہے
مرے شوقِ پنہاں کی تاثیر دیکھو ۔۔۔ کہ دلدار بھی دلربا جانتا ہے
نزاکت ہوں ہر ناتوانِ محبت ۔۔۔ لطیفہ مرے نام کا جانتا ہے

نامنصفی اور اے بت بیداد گر ایسی — چاہت تری غیر فن کو بھی ہو گی مگر ایسی

حرماں ہو اگر چاہ کی تقدیر تو ظالم — تقصیر نہ ہو گی کبھی بار دگر ایسی

ہم نرمی دشمن کو چھپانا ہی تھا قاصد — کہتا ہے کسی سے کوئی نادان خبر ایسی

نزاکت (ط) تخلص کندن نام بنت حسینی طوائف دہلوی سلیقہ شعار عورت تھی ستار بجانے میں کمال حاصل تھا شگفتہ مقیم جے پور کی شاگرد تھی ۱۲۹۰ھ ہجری میں زندہ تھی۔ کبھی کبھی شعر بھی کہتی تھی۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

بلبل زار ہوں تو تیرا ہوں — میں گرفتار ہوں تو تیرا ہوں

خواہش دین نہ کام دنیا سے — میں طلبگار ہوں تو تیرا ہوں

ان فرشتوں کو واسطہ مجھ سے — میں گنہگار ہوں تو تیرا ہوں

ہوں نہ اچھا کبھی مسیحا سے — میں جو بیمار ہوں تو تیرا ہوں

سجدہ کروا نہ غیر کے آگے — بندہ اے یار ہوں تو تیرا ہوں

نہ بوسہ رخ کا دیتے ہیں نہ گیسو چھونے دیتے ہیں

یونہی اک عمر گزری ہے کہ صبح و شام کرتے ہیں

نزاکت۔ (ط) بمبئی کی ایک شاہد بازاری کا نام اور تخلص تھا۔

شعر عمدہ کہتی تھی۔ یہ غزل مشتری کو لکھنؤ بھیجی تھی۔

جسے دیکھئے سنگدل بے وفا ہے	نہیں بُت کوئی دل لگانیکے قابل
اسی سے ہو درد و الم عاشقوں کو	ہے یہ نقش اُلفت مٹانے کے قابل
کہیں کیا کیا ضعف نے حال اپنا	نہیں اب لبِ ہے لب ہلانے کے قابل
کیا عشق نے ہمکو بدنام سب میں	کہاں اب رہے مُنہ دکھانے کے قابل

نسرین۔ عابدہ خانم نام ہے۔ متھرا کی رہنے والی ایک نہایت معزز خاتون ہیں۔ پہلے پروین تخلص کرتی تھیں مگر جب یہ معلوم ہوا کہ اس نام کی کئی اک اور خواتین بھی ہیں تو آپ نے اس تخلص کو ترک کر کے نسرین تخلص اختیار کیا۔ اکثر غزلیں اور نظمیں کہتی رہتی ہیں اور زمانۂ حال کی ایک ممتاز شاعرہ ہیں دو نظمیں مجھے اسوقت مل سکیں نقل کیے دیتا ہوں اُنھیں سے ناظرین اُنکی جودت طبع کا اندازہ فرمائیں۔ پروین کے نام سے بھی آپ ہی کا کلام ہے یہ تکرار نہیں بلکہ دانستہ ایسا کیا ہے۔

دُعائے شام

کیوں نہیں بیٹھے ہوئے اُداس کیف سی نگاہ میں	پڑ گئے کو سے ہو ہیں کیا حسن کی بارگاہ میں

دل ہی نہیں کہ تجھکو دوں نذرِ محبت ازل
آنکھیں نہیں کہ آ رہوں میں بھی تری نگاہ میں

ہائے وہ رحم کُن نظر جسکی کرم نمائیاں
بن گئیں سازِ زندگی عشق کی سوگاہ میں

پھر تری برہمی کی یاد رنگ اُڑا کے لیچلی
دیکھ رہی ہوں میں تجھے پھر اُفق سیاہ میں

دعوتِ سیرِ دل تجھے دے نہ سکے معاف کر
بند پڑے تھے راستے ہر نفس تباہ میں

ہاں ترا عشوہ خفا اب نہیں مائلِ کرم
ہاں نہیں اب مری نگاہ تیری حسین نگاہ میں

حیرِ سکونِ دل نہ بن خیر نہ التفات کر
آنے دے ذکر تو مرا پرسش گاہ گاہ میں

کچھ نہیں چاہتی مگر اک نگہ غلط اثر ٭
ہمتِ اعتراف ہو جس سے گناہ میں

گوشِ حقیقت آشنا نوحۂ خستہ کام سُن
مہرِ سحر نمائے دل عرضِ نیاز شام سُن

(برف)

برف اے جوہرِ شفاف ادای شیشۂ نور
ہے تجھی سے اثرِ موسمِ گرما ٹھنڈا

ایک تسکین ترے دم سے ہی میخانہ میں
ہے خنک جام و سبو سرد ہے شیشا ٹھنڈا

تو نے سوزِ تپِ فرقت میں بہت کام دیا
تو نہ ہوتا تو دلِ گرم نہ ہوتا ٹھنڈا

جسم پر ہوتی ہے اک تازگی طاری تجھسے
سر اثر سے ترے آتا ہے پسینا ٹھنڈا

تیرے ٹکڑے ہیں کہ بلور کے آئینے ہیں
نظر آتا ہے تخیل کا سراپا ٹھنڈا

مرتے مرتے نہ رہے حسرت برفاب مجھے
اور اک گھونٹ پلادے کوئی ٹھنڈا ٹھنڈا

تیرا ایثار و وفا کا ہے نمونہ اے برف
ہو گیا خود تو وفا کر کے کلیجا ٹھنڈا

نشتر۔ جناب قیصر بیگم صاحبہ نشتر لکھنوی۔ کوئی زمانۂ حال کی شاعرہ ہیں۔ لکھنؤ کے رنگ موجودہ کا انداز ہر شعر سے عیاں ہوتا ہے۔ کلام بالکل مردانہ ہے۔ زبان نسواں کی بو بھی اسمیں نہیں پائی جاتی ـ

چمن میں آج آمد ہی جو اُس سرو خراماں کی
بہار رفتہ پھر آئی ہوا بدلی گلستاں کی

دُھواں اُٹھتا ہی جبدم آہ کرتا ہوں شبِ فرقت
نہ پوچھ اے ہمنفس حالت ہمارے قلب سوزاں کی

یہ دنیٰ سی عنایت تھی جنون فتنہ ساماں کی
کہ چھانی خاک ہم نے عمر بھر کوہ و بیاباں کی

ابھی کمسن ہو ڈر جاؤگے یہ رگ جوانی ہر
نہ دیکھی جائیگی حالت مریض شام ہجراں کی

پھر آئی فصل گل پھر وحشتِ دل رنگ لائیگی
ترے وحشی کرینگے دھجیاں جیب و گریباں کی

کسی کے گیسوئے پرخم جو نشتر یاد آتے ہیں
مری آنکھوں میں پھرتی ہر سیاہی شام ہجر انکی

نظیرن۔ لکھنؤ کی ایک عفت مآب خاتون کا نام تھا۔ یہ دو شعر اُن کے یادگار ہیں ؎

کیا کہیں تم سے ہم کہ کیا ہیں ہم
پاکدامن ہیں پارسا ہیں ہم

تو جو اغیار کے پہلو میں یہاں رہتا ہے ۔۔۔ مجھ پہ تنہائی میں پہروں خفقاں رہتا ہے

نقاب - صرف تخلص معلوم ہے۔ باقی حال خدا جانے۔ اتنا جانتا ہوں کہ کوئی مستورۂ عفت مآب یا شاہد بازاری جنس نازک سے ہیں کلام ہدیۂ اہل نظر کیا جاتا ہے۔

آنکھوں سے آب اشک بہایا نہ جائے گا ۔۔۔ طوفان نوح ہم سے اٹھایا نہ جائے گا

میرے بجائے اُسنے عدو کو بٹھا لیا ۔۔۔ یہ داغ رشک مجھ سے اٹھایا نہ جائے گا

وہ اور وصل غیر یہ امر محال ہے ۔۔۔ تسکین دے رہا ہے مجھے یار کا حجاب

ہمارے خط کے پرزے کسلیئے وہ بھیجتا ہکو ۔۔۔ جواب نامہ پر تکرار قاصد نے مقرر کی

نقاب اور کوچہ گردی خاکساری آبلہ پائی ۔۔۔ عدو اور آستان دلربا خوبی مقدر کی

وہ ہجراں کے صدمے اُٹھائے ہوئے ہیں ۔۔۔ کہ ہاتھوں سے دل کو دبائے ہوئے ہیں

اگر سر کروں جائیں چوتھے فلک پر ۔۔۔ یہ نالے مرے آزمائے ہوئے ہیں

فلک کے عدو کے دل غمزدہ کے ۔۔۔ کہیں کیا کہ کسکے ستائے ہوئے ہیں

وہ کیا منہ دکھائینگے محشر میں مجھ کو ۔۔۔ جو آنکھیں ابھی سے چرائے ہوئے ہیں

نہ تھے گھر میں غیروں کے میں نے یہ مانا ۔۔۔ مگر کچھ تو ہے جو لجائے ہوئے ہیں

دور سے بزم جاناں میں میں بیٹھا رہ گیا ۔۔۔ یہ نہ بولا ہائے کوئی ایک پیمانہ اِسے

اُس سے اور امید رحم ای حضرت دل خیر ہے ۔۔۔ آپ تو نامِ خدا عاقل تھے کیا جانا اُسے

نقاب (ط) - حمیدن بائی طوائف کلکتہ والی کا تخلص تھا۔ منی بائی حجاب کی چھوٹی بہن تھی۔ نمونۂ شاعری یہ ہے۔

نقاب اُس بُت سے تو ملنا نہ ہرگز ۔۔۔ وہ ظالم ہے ستائے گا ترا دل
دور سے بزم جاناں میں میں تنہا رہ گیا ۔۔۔ یہ نہ بولا ہائے کوئی ایک پیمانہ اِسے

نورن (ط) یہ مسماۃ فرخ آباد کی ایک شاہد بازاری تھی۔ ایک شعر بھی اس کے نام سے موجود ہے۔

مارا تھا تیری زلف نے کل جسکو گلبدن ۔۔۔ باغ جہاں سے آج وہ بیمار اُٹھ گیا

نوشابہ تخلص تھا۔ امجدی جان نام تھا۔ رامپور کی رہنے والی تھی۔ شعر خوب کہتی تھی اور میر صادق علی مائل کو اپنا کلام دکھاتی تھی۔ یہ شعر نمونتاً حاضر ہیں۔

لُطف افشاں کا ہے ای رشکِ قمر وصل کی رات ۔۔۔ کیجیئے آپ تاروں پہ نظر وصل کی رات
آسماں مجکو عاشق سے عوض لیگا ضرور ۔۔۔ جیسے لوٹے ہیں مزے چار پہر وصل کی رات
جسکی منزل ہیں وہ آنکلے پھر دِن اُس کے ۔۔۔ اب اِدھر وہ مہ تاباں ہے اُدھر وصل کی رات

واو مہملہ

وحید تخلص وحید النساء نام۔ ایک خاتون عصمت مآب عفت گزین

آگرہ کی رہنے والی ہیں دورِ موجودہ کی نہایت خوش خیال شاعرہ ہیں۔ آپ کی غزل دیکھکر کہنہ مشقی کا پتہ چلتا ہے۔ آپ کے زیادہ حالات معلوم نہیں صرف ایک غزل ضیافت طبع ناظرین کیجاتی ہے۔

دنیا سے جا رہی ہوں تمنا لئے ہوئے
دل ہے کہ ایک یاس کی دنیا لیے ہوئے

ارمان سیکڑوں دل شیدا لیے ہوئے
جاتا ہے بزم یار میں تنہا لئے ہوئے

صد سوزش جراحت و صد شورش فراق
دل ہے اک اضطراب کی دنیا لیے ہوئے

ارمان و عشق و حسرت و حرمان و درد و یاس
آئی ہوں بزم یار سے کیا کیا لیے ہوئے

اب آرزو ہے کوئی نہ ارمان ہے کوئی
مایوس موت کی ہوں تمنا لیے ہوئے

مصروف شغل مشق تصور ہے رات دن
دل ہیں ترے خیال کی دنیا لیے ہوئے

اُمید چارہ سازی بیمار الوداع
خود ہی جگر میں درد مسیحا لیے ہوئے

وہ دن بھی تھے کہ رہتے تھے مسرور آرزو
اب آرزو کی ہوں ہیں تمنا لیے ہوئے

پہلو میں ہے مرے دل صد آرزو وحید
ہر آرزو ہے شوق کی دنیا لئے ہوئے

وزیر۔ (ط) وزیر بیگم طوائف خیرآباد ضلع سیتاپور کی رہنے والی تھی شعر و شاعری سے بھی اک گونہ شوق تھا۔ یہ اُس کے شعر ہیں۔

کسی پردہ دار کا غم جو نہ پردہ دار ہوتا — تو یہ استخواں میں ہرگز نہ مرے غبار ہوتا
نہیں جب ثبات دنیا تو مجھے ترا گلا کیا — مرے ساتھ عہد کیونکر ترا استوار ہوتا
یہ غضب نہیں تو کیا ہی کہ چمن ہی اور گھٹا ہی — یہ وہ وقت ہی کہ جام مے ناب یار ہوتا
تجھے کب غفور کہتا کوئی اے کریم و راحم — کسے بخشتا جو کوئی نہ گنا ہگار ہوتا
کیوں دیتے ہیں تعزیر بتانِ ستم ایجاد — یارب میں اگر ہوں تو گنہگار ہوں تیرا

ہاے ہوز

ہلال (ط) تخلص نام چندا جان دہلی کی ایک ادنیٰ درجہ کی طوائف تھی جس کا ابھی سات آٹھ برس پہلے انتقال ہوا ہے کچھ دیوانی سی تھی اپنے شعر بھی سنایا کرتی تھی۔ اور شعرا سے نہایت اختلاط و محبت سے پیش آتی تھی۔ میں نے خود اُسکی زبان سے یہ شعر سُنے ہیں نہیں معلوم اسی کے ہیں یا کسیکے۔

دیکھتا ہی جو کوئی غور سے اُن کی جانب — ہاتھ رکھ لیتے ہیں وہ پھول سے رخساروں پر
ایک کا ہیدگی کافی نہیں ہوتی ہی ہلال — لوٹنا پڑتا ہی عشاق کو انگاروں پر

ایک شخص نے دوسرا شعر سُن کر کہا کہ ہلال آپکا تخلص ہے تو اسنے جواب دیا کہ جی ہاں یہی تخلص ہے۔ یہ باتیں اب سے پندرہ برس پہلے کی ہیں

ممکن ہے کہ اسکے بعد بھی وہ شاعری کرتی رہی ہو اور اور کچھ شعر کہے ہوں -

ہمایوں - تخلص ہے - میرٹھ کی رہنے والی ہیں سنے الحال اپنے شوہر کے ہمراہ انبالہ میں مقیم ہیں - نہایت ذہین ہیں - اُردو فارسی میں اچھی خاصی دستگاہ ہے - بقدر ضرورت انگریزی بھی جانتی ہیں - اس وقت کوئی ۲۵ سال کی عمر ہوگی شعر و شاعری سے کافی ذوق ہے مگر کسی رسالہ اور گلدستہ میں کبھی اپنی غزل نہیں دتیں بلکہ جو ایسا کرتی ہیں اُن سے ہمیشہ اظہار ناراضی کرتی رہتی ہیں - میرے ایک دوست نے جو آپ کے عزیز قریب ہیں میرے اوپر کرم فرمایا اور بمشکل یہ کلام مجھ تک پہونچایا - نام وغیرہ کی اب بھی اجازت نہیں ہے نمونۂ کلام حاضر ہے - ملاحظہ ہو

آسماں روز نئے رنگ ہی لاتا جائے | جسقدر اس سے بنے قہر مٹاتا جائے
خیر منظور ہے فرقت کی مصیبت مجھکو | جاتے جاتے کوئی جلوہ تو دکھاتا جائے

وعدۂ وصل کر نہیں دیتے | پھول کیطرح مسکراتے ہیں
بس تسلی نہ دو دم رخصت | جائیے آپ روز آتے ہیں
نہیں ملتے اگر غریبوں سے | اُن کو دیوانہ کیوں بناتے ہیں

رند سے اعتبار توبہ کا | کالی کالی گھٹا کے ساتھ اُٹھا

یاس نے جب دل کو توڑ دیا — پھر دعاؤں کو بھی نہ ہاتھ اُٹھا

میں تو کمبخت ہوں اور نام ہما یونہی مرا — انھیں باتوں سے فلک سخت جگر خوں ہے مرا

ہمدم تخلص تھا۔ گوہر جان طوائف کا کلکتہ کی رہنے والی تھی۔ یہ چند شعر یادگار ہیں۔

دل کیا یار نے زخمی دم تقریر عبث — بے سبب کھنچ گیا وہ صورت شمشیر عبث

تیرا دیوانہ اُلفت ہی نہ ٹھہریگا کبھی — موجیں بہاتی ہیں سیلاب کو زنجیر عبث

سیکڑوں آہوئے دل صید ہیں اُن زلفوں میں — ڈھونڈتے پھرتے ہیں صحراؤں میں نخچیر عبث

ہنر۔ گنا جان طوائف دربھنگہ کی رہنے والی کا تخلص تھا حسین شوخ مزاج تھی شعر بھی خوب کہتی تھی۔

کیوں نہ چرخ پیر کو کہیے ہے دیوانہ مزاج — ہائے یہ پیرانہ سالی اور طفلانہ مزاج

مردم چشم صنم بھی سامری فن ہیں کوئی — اپنے قابو میں جو کر لیتے ہیں بیگانہ مزاج

حشر میں اک حشر ہو جائیگا برپا اے پری — قبر سے اُٹھینگے جب دم تیرے دیوانہ مزاج

اے پری رو تو نے عالم کو یہ دیوانہ کیا — شکل عنقا کی نظر آتے ہیں فرزانہ مزاج

اک شمار رحمت اپنے واسطے کافی ہے شیخ — کیجیے اتنا نہ لیکر سبحہ صد دانہ مزاج

آ گیا نام خدا عہد شباب اسکا اگر — بڑھ کے طفلی سے کریگا پھر جوانانہ مزاج

ہوش ۔ کرنال کی ایک مجہول الحال عورت کا تخلص تھا ۔ ایک شعر اسکا یادگار ہے ۔

عمر انساں جسقدر بڑھجاے ہے ۔ اُتنے درجے حرص بھی بڑھجاے ہے

یائے تحتانی

یاد ۔ ایک خاتون عفت مآب خاندان تیموریہ کا تخلص تھا ۔ نہایت خوبصورت اور صاحب سلیقہ تھی ۱۲۹۲ھ میں دار فانی کو چھوڑکر عالم بقا کو راہی ہوئی ۔ اور یہ چند شعر یادگار چھوڑ گئی ۔

عبث فکر درماں ہے اے اقربا ۔ کہ اب یاد تو یاں سے چلنے کو ہے
سر انجام غسل و کفن کر رکھو ۔ تن زار سے جاں نکلنے کو ہے

یاس تخلص آفتاب بیگم نام ۔ فیض آباد کی رہنے والی تھیں شعر خوب خوب کہتی تھیں بلاحظہ کیجئے ۔

اُڑنے وہ نخچیر یاد شوق میں بے پر لگا ۔ تیر تیرا جس کسی کے اے پری پیکر لگا
کیا خبر سوائیوں کو موسم گل کی ہوئی ۔ میری تربت پر برسنے رات دن پتھر لگا
اب بھی گر آنا ہو تو جلدی سے آلیجئے خبر ۔ ہے مسیحا اب تو دم آنے مرا لب پر لگا

حال تیرے زار کا نزع دگر ہونے لگا | جاں بلب عاشق ترا اے سیمبر ہونے لگا
نہ جلوہ بخش تیرا نور گر اے مصطفےٰ ہوتا | تو دنیا میں نہ کوئی واقف نام خدا ہوتا
تصدق جاؤں میں اپنے رسول پاک کے ہردم | مری مشکل ہیں ہر اے یاسمن وہ مشکل کشا ہوتا
کُن اک فرقت میں جاناں کی مرض ہمکو رہا | درد دل گرمٹ گیا درد جگر ہونے لگا

یاسمن - یہ تخلص چنبیلی نام کنیزک سید انشاء اللہ خاں کا تھا عجیب بات یہ ہے کہ صحبت مرد سے اسکو قطعی تنفر تھا۔ سید انشا نے شاید اس بات کو تصنع خیال کیا۔ اور بہ اتباع شریعت اسکی شادی ایک نہایت معقول آدمی کے ساتھ کردی تیسرے روز بغیر کسی عارضہ اور مرض کے جان بحق تسلیم ہوئی۔ جسکا انشاء اللہ خاں کو بڑا افسوس ہوا انھیں سے مشورہ سخن کرتی تھی۔

یاد آیا مجھے گھر دیکھ کے دشت | دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا
سرمہ کھلوایا خموشی نے مجھے | جب وہ منظور نظر یاد آیا
صبر جاتا رہا قرار کے ساتھ | پر مری ڈالے جان تو نہ گیا
دختر رز سے رات صحبت تھی | شیخ جی کا مگر وضو نہ گیا

یاسمین - یہ تخلص تومن نامی ایک طوائف سہارن پور کی رہنے والی کا ہے۔ یہ شعر اسکے نام سے مشہور ہیں۔

دل میں میرے زخم ہے تیغ نگہ کا چارہ گر — فائدہ دے گا نہ پھاہا مرہم زنگار کا

تیر نے تیرے اگر چاٹا نہیں ہے میرا خوں — سرخ ہے پھر کس لیے ظالم دہن سوفار کا

تپ کی شدت میں کسی مہ جبیں کا تھا خیال — جو پڑا تبخالہ لب پر مثل اختر ہو گیا

دل کی بیتابی نے رسوا کر دیا ہے یاں ہمیں — تذکرہ اپنے جنوں کا اب تو گھر گھر ہو گیا

تمام شد۔ بعونہٖ تعالیٰ

عبدالباری آسی

۹ جنوری ۱۹۲۶ء

تذکرۂ خواتین

حصّۂ دوم

یعنی ان عورتوں کا کلام جو فارسی میں شعر کہتی تھیں

مصنّفہ

مصورورد مولانا عبدالباری۔ آسی مدنی

باہتمام کیسری داس سیٹھ سپرنٹنڈنٹ

مطبع منشی نولکشور لکھنؤ میں چھپا

ردیف الف

آرام۔ کسی بادشاہ ہندوستان کے محلات میں سے تھیں۔ مگر گردش زمانہ کو دیکھئے اتنا مٹا دیا کہ آج یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ وہ کونسا ذیجاہ تھا جسکے شبستان اقبال میں دل آرام جو اس نازک خیال کا نام ہے۔ جلوہ افروز تھی۔ بعض کا قیاس ہے کہ رنگیلے مزاج بادشاہ نورالدین جہانگیر کی حرم محترم تھیں مگر یہ بات پایۂ تحقیق کو نہیں پہونچتی۔ خدا بہتر جاننے والا ہے۔ آج ہمارے سامنے صرف یہ چند شعر موجود ہیں جو نقل کئے جاتے ہیں۔

محو از دل خود ساز ہمہ نقش عدم را | منزل گہ اغیار مکن فرش حرم را
سرمایۂ عقبیٰ بکف آور کہ مبادا | تقدیر کشد بر سر تو تیغ دو دم را
باہ و نالہ کردم صید وحشی نگاہاں را | بزور جذب کردم رام باخود کجکلاہاں را
بپوشیدم سحر گہ چوں لباس پارسائی را | گرو کردم بجام مے لباس پارسائی را
شدم ہمدم بہ میخواران بخلوتخانۂ حیرت | شکستم ساغر و پیمانۂ زہد ریائی را

گرفتم دامن صحرا شدم ہم پیشۂ مجنوں سبق آموز گشتم دین عشق بینوائی را

ترجمہ (۱) اپنے دل سے تمام نقش عدم مٹا دے۔ فرش حرم کو دوسروں یا غیروں کے رہنے کی جگہ نہ بنا۔

اسی مضمون کا ایک شعر تذکرۂ خزانۂ عامرۂ مولفۂ مولانا غلام علی آزاد میں ایک مرتبہ دیکھا تھا جو اب تک یاد ہے۔

غیر حق را میدہی رہ در حریم دل چرا میکنی بیگانہ را مہماں ایں منزل چرا

ترجمہ

غیر حق کو راہ دیتا ہے حریم دل میں کیوں کرتا ہے بیگانہ کو مہماں اس منزل میں کیوں

ترجمہ (۲) عقبیٰ کا سرمایہ حاصل کر کہیں ایسا نہو۔ کہ قضا تیرے سر پر تیز تلوار کھینچ لے (۳) میں نے آہ و نالہ کر کے وحشی نگاہوں کو اپنا شکار کر لیا۔ اپنے جذبے کے زور سے میں نے ٹیڑھی ٹوپی والے معشوقوں کو اپنا تابعدار کر لیا (۴) صبح کے وقت جب میں نے بیریائی کی شراب پی تو ایک جام کے بدلے اپنے جامۂ پارسائی کو گرو کر دیا (۵) میں حسرت کے خلوت خانہ میں شراب ہوں کا ہمدم ہو گیا۔ اور زہد کے ساغر اور پیمانۂ ریائی کو توڑ ڈالا (۶) میں جنگل میں نکل گیا اور مجنوں کا ہم پیشہ ہو گیا۔ اور بینوائی کے عشق کا سبق پڑھانیوالا

ہوگیا۔

آرزوی ۔ سمرقند کی رہنے والی ایک شاعرہ تھی تذکرہ مرأۃ الخیال سے معلوم ہوتا ہے کہ نہایت حسین اور صاحب جمال تھی شعر نہایت عمدہ کہتی تھی اکثر نازک نازک مضامین نظم کرتی تھی اور معاصرین سے خراج تحسین وصول کرتی تھی اسکا یہ مطلع نہایت مشہور ہے

شدیم خاک رہت گر بدرد ما نرسی ۔۔۔ چناں رویم کہ دیگر بگرد ما نرسی

ترجمہ ۔ ہم تیری راہ میں خاک ہو گئے ہیں اگر تو ہمارے درد کو نہ پہونچا تو ہم ایسے جائینگے کہ پھر تو ہماری گرد کو بھی نہ پہونچ سکیگا ۔

ماند داغ عشق او بر جانم از ہر آرزو ۔۔۔ آرزو سوزست عشق من سراسر آرزو

ترجمہ ۔ تمام آرزؤں کے فنا ہونے پر اُسکے عشق کا داغ میری جان پر رہ گیا ہے عشق آرزو ۔ سوز ہے اور میں سراپا آرزو ہوں ۔

آغا باجی ۔ فتح علی شاہ ، قاچار گزشتہ شاہ ایران کی حرم محترم تھیں ۔ شعر کہتی تھیں ۔ اور خوب کہتی تھیں چند شعر جو مجھے ملے درج کرتا ہوں ۔

خرم آں کو بسر کوئے تو جائے دارد ۔۔۔ کہ سر کوئے تو خوش آب وہوائے دارد

بسفر رفت و دلم شد جرس ناقہ او ۔۔۔ رسم انیست کہ ہر ناقہ درائے دارد

سوختم از آتش غم ناصحا تا کے زمنع | میزنی برآتشم دامن برو خاموش باش
تا حشر نویسند اگر می نہ شود طے | نے دفتر حسن تو نہ طومار فراقم

ترجمہ (۱) وہ بڑا اچھا جو تیری گلی میں رہتا ہے۔ کیونکہ تیری گلی کی آب و ہوا بڑی اچھی ہے (۲) میرا معشوق سفر میں گیا۔ اور میرا دل اسکے ناقہ کا جرس بنکر اسکے ساتھ گیا ہے۔ کیوں نہو یہ رسم ہے ہر ناقہ کے ساتھ جرس ہوا کرتا ہے (۳) میں غم کی آگ سے جل گیا۔ اے ناصح تو کب تک منع کر کرکے میری آگ کو بھڑکائیگا۔ بس بہتر یہی ہے کہ جا خاموش رہ (۴) اگر حشر تک لکھتے رہیں تو بھی لکھا نہ جائیگا۔ نہ تیرے حُسن کا دفتر۔ اور نہ میری جدائی کا طومار

آغا کوچک - سیف اللہ مرزا قاچار کی صبیہ تھی۔ کبھی کبھی شعر کہتی تھی۔ یہ رُباعی اسی کی ہے۔

گویند بہشت و حور و کوثر باقی است | در روز جزا دوزخ و محشر باقی است
دُوزخ چہ بود بغض علی و آلش | جنّت بہ محبّت پیمبرؐ باقی است

ترجمہ (۱) کہتے ہیں کہ بہشت اور حور اور کوثر باقی رہیں گے۔ روز جزا میں دوزخ اور محشر باقی رہیں گے (۲) دوزخ کیا چیز ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور آپ کی اولاد امجاد سے بُغض رکھنا۔ اور جنّت پیغمبر کی محبت کیوجہ سے باقی ہے

آقا بیگہ اباق۔ سلطان حسین جسکی علم دوستی شہرۂ آفاق تھی اور جسکے امرا میں امیر علی شیر ایک علم پرور علم دوست امیر تھا۔ اُسی کے زمانہ میں شاعرہ شہر ہرات میں رہتی تھی۔ نہایت متمول اور ذی رُتبہ تھی۔ خاص و عام کی حاجت برآری اس کا شعار تھا۔ تمام سامان ظاہری اور جائداد و املاک اسکے پاس تھی بڑے بڑے ادیبوں اور فاضلوں کا مجمع رہتا تھا اور اُسنے اپنی علو ہمتی سے سب کے وظائف اور تنخواہیں مقرر کر رکھی تھیں۔ چنانچہ خواجہ آصفی کی بھی تنخواہ مقرر تھی یہ اُس زمانہ کے ایک مشہور و معروف شاعر تھے۔ ایک مرتبہ اتفاق سے انکی تنخواہ پہونچنے میں کچھ دیر ہوگئی۔ اُنھوں نے کچھ دن تک انتظار کیا۔ جب انتظار سے کوئی کام نہ چلا تو یہ قطعہ آقا بیگہ کو لکھ بھیجا۔

ایا عروس خطابخش جرم پوش بگو ۔۔۔۔ کہ کے وظیفۂ ما را قرار خواہی داد
بوقت غلہ مرا گفتۂ کہ باز دہم ۔۔۔۔ سرم فدائے درت چند بار خواہی داد

ترجمہ۔ اے خطا بخش اور جرم پوش دُلھن یہ بتا کہ ہمارا وظیفہ کب قرار دیگی۔ تو نے غلہ دیتے وقت کہا تھا کہ پھر دیا جائے گا۔ میں تیرے قربان کتنے مرتبہ تو دیگی۔

آقا بیگہ یہ قطعہ پڑھکر ہنسی۔ اور وظیفہ مقررہ معہ کچھ زائد سامان وغیرہ کے

بھیجدیا۔ آقا بیگہ کا دیوان اگرچہ بڑا ہو گا۔ اور ظاہر ہے کہ اسقدر شاعر دوست شاعرہ خود بھی کیسی باکمال ہو گی مگر افسوس کہ آج اِن چند اشعار کے سوا اور اُسکے کلام کا پتہ نہیں آہ۔

نسب نامہ دولت کیقباد ورق بر ورق بُرد ہر سُوئے باد

شعر یہ ہیں۔

آہ ازاں دامے کہ دارد رشتۂ جاں تابِ ازو وائے بر لعلے کہ ہر دم میخورد خونابِ ازو

نتواں دید رُخ خوب ترا ماہ بماہ زانکہ آساں نتواں کرد بخورشید نگاہ

ترجمہ۔ اے فریاد ہے اُس جال سے جس سے میرا رشتہ جاں مٹھا جاتا ہے افسوس ہے اُس لب پہ کہ ہر وقت شراب اُس سے اپنا خون پیتی ہے (۲) تیرے خوبصورت رخسارہ کو ماہ بماہ نہیں دیکھا جا سکتا۔ اسواسطے کہ آفتاب کو آسانی کے ساتھ دیکھ نہیں سکتے۔

آقا دوست۔ قیام درویش کی لڑکی تھی سبزوار کی رہنے والی تھی۔ نہایت فاضل تھی خصوصیت سے علمِ عروض و قوافی میں بہت کامل دستگاہ حاصل تھی۔ آج صرف چند شعر اُس سے یادگار ہیں۔

ز آشنائی تو عاقبت جُدائی بود فغاں کہ با تو مرا ایں چہ آشنائی بود

ہر کجا آں مہ باں زلف پریشاں بگذرد	ہر کہ کفر زلف او بیند زایماں بگذرد
اے محباں نو العجب دردیست در عاشقی	ہر کہ دامن گیرد ایں دردش ز درماں بگذرد
ہر کہ عاشق شد از و دیگر سر و ساماں مجو	زانکہ عاشق ترک سر گوید ساماں بگذرد
در فراقش دوستی گرید چو ابر نو بہار	گریہ زارش چو بیند ابر گریاں بگذرد

ترجمہ (۱) تیری دوستی کا نتیجہ آخر جدائی تھا۔ ہائے دہائی ہے میری
ستے کے ساتھ یہ کیا اور کیسی آشنائی تھی (۲) جہاں کہیں میرا معشوق اپنی
زلف پریشاں کئے ہوئے گزرتا ہے۔ جو اُسکی زلف کے کفر کو دیکھتا ہے۔
ایمان کو چھوڑ دیتا ہے (۳) اے دوستو عاشقی کا درد عجیب درد ہے۔ یہ درد جسکا
دامن پکڑ لیتا ہے وہ علاج سے درگزرتا ہے (۴) جو کوئی عاشق ہوا پھر سر و سامان
کی اُمید نہ رکھو۔ کیونکہ عاشق اپنے سر اور سامان کو چھوڑ دیتا ہے (۵) اُسکی
جدائی میں جو دوست ابر نو بہار کی طرح روتا ہے۔ تو جب اسکا رونا دیکھتا ہی
ابر بھی روتا ہوا گزرتا ہے۔

(ردیف ب)

بزرگی۔ کشمیر جنت نظیر کے خطہ کی رہنے والی ایک طوائف تھی۔ گانے

بجانے میں مشاق دلربائی میں شہرۂ آفاق تھی۔ آخر میں خدائے کریم نے ہدایت دی اور تمام منہیات سے توبہ کرکے گوشۂ قناعت اختیار کرلیا۔ دروازہ بند کئے رہتی تھی اور کوئی شخص آنے نہ پاتا تھا۔ عہد جہانگیر میں زندہ تھی۔ ایک شعر اُسکا ملتا ہے جو درج کرتا ہوں ؎

موبمو در نالہ ام گوئی کہ اُستاد ازل رشتۂ جانم بجائے تار در طنبور بست

ترجمہ میں سر بسر نالہ وزاری بنی ہوئی ہوں۔ گویا کہ اُستاد ازل نے میرے رشتۂ جاں کو بجائے تار کے طنبور میں باندھا ہے۔

بلیغہ۔ شیراز کی رہنے والی نہایت طلیق اللسان اور فصیح البیان شاعرہ تھی۔ یہ مطلع اُسی کا ہے۔

شب سگ کویت بہر جائیکہ پہلو می نہد روز خورشید آں زمیں را بوسہ بر دمی نہد

ترجمہ۔ رات کو تیری گلی کا کُتا جس جگہ کہ پہلو رکھتا ہے صبح کے وقت سورج اُس زمین کے بوسے لیتا ہے۔

بیدلی۔ یہ شاعرہ ہرات کی رہنے والی خواجہ عبداللہ کی بیوی تھی۔ خواجہ عبداللہ ہرات کا رہنے والا خواجہ حکیم کا بیٹا تھا مشہور ومعروف آدمی تھا اس شاعرہ کا صرف ایک مطلع اب یادگار ہے

روم بہ باغ و ز نرگس دو دیدہ وام کنم　　　کہ تا نظارہ آں سرو خوش خرام کنم

ترجمہ۔ میں باغ میں جاؤں اور جاکر نرگس سے دو آنکھیں قرض لوں۔ تاکہ اُس سرو خوشخرام کو دیکھ سکوں۔

بیدلی۔ ناچنے گانے میں مہارت تامہ رکھتی تھی۔ ایران کے ایک قصبہ خیابان کی رہنے والی تھی۔ ایک شعر اسکی نغمہ سنجی کا یادگار ہے

چشم پُر خوں خیال خام آں دلبر درو　　　مجمر پر آتش است و پارۂ عنبر درو

ترجمہ۔ میری آنکھ میں خون بھرا ہوا ہے۔ اور اُس دلبر کا خیال خام اس میں ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے آگ کی بھری ہوئی انگیٹھی میں عنبر کا ٹکڑا کوئی ڈالدیتا ہے۔

بیگی تخلص ہے آغا بیگی نام تھا یا آق جلایر شاید کوئی معزز خطاب یا نسبی لقب نام کے ساتھ شامل تھا امیر علی جلایر کی بیٹی تھی۔ امیر درویش علی کتاب دار حاکم قبتہ الاسلام بلخ برادر امیر نظام الدین علی شیر کی اہلیہ تھی ہرات میں نہایت عزت و حشمت کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھی سلطان حسین بہادر خاں کے مقربان خاص میں تھی۔ خود بھی شعرائے معاصر کے وظیفے اور تنخواہیں مقرر کر رکھی تھیں۔ اسکی یہ رباعی ملتی ہے۔

آب لے کہ فلک ملب چکاند مارا | سرگشتہ بہ بحر و بر دواند مارا
اے کاش بمنزلے رساند مارا | کز ہستی خود باز رہاند مارا

ترجمہ (۱) آسمان وہ پانی جو ہمارے لبوں پر ٹپکاتا ہے۔ ہمکو سرگشتہ کرکے جنگلوں اور دریاؤں میں پھراتا ہے (۲) کاش ہمکو ایسی جگہ پہونچادے کہ ہم اپنی ہستی سے چھوٹ جائیں۔

بیگی کبھی کبھی شراب بھی پیا کرتی تھی۔ مگر ایک وقت آیا کہ وہ خود متنبہ ہوگئی اور شرابخواری سے توبہ کرلی۔ ایک مرتبہ مرزا بدیع الزماں کی مجلس عیش سرگرم تھی بیگی بھی وہاں موجود تھی۔ شراب کا دور چل رہا تھا۔ بدیع الزماں شراب پی رہے تھے مگر بیگی خاموش تھی۔ اسی وقت یہ مطلع نظم کرکے میرزاے مذکور کو سنایا۔

من اگر توبہ ز مے کردہ ام اے سرو سہی | تو خود ایں توبہ نکردی کہ مرا مے ندہی

اسی شعر کا گویا مرزا غالب نے ترجمہ کیا ہے۔

میں اور بزم مے سے یوں تشنہ کام آؤں | گر میں نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا

بنت حسام الدین سالار کی صبیہ تھی۔ شاہ عباس صفوی کے زمانہ کی ایک مشہور شاعرہ نغز گفتار تھی دو شعر اُس سے یادگار ہیں جو درج تذکرہ کئے جاتے ہیں۔ باقی کلام ضایع ہوگیا۔ نہیں ملتا۔

روزیکہ طرب بالب وخال تو کنیم جاں تازہ بفرخندہ جمال تو کنیم

ایں جرم کہ زندہ ماندہ ام بے رخ تو درگردن اُمید وصال تو کنیم

ترجمہ (۱) جس روز کہ تیرے لب اور خال کے دیکھنے سے خوشی ہو گی۔ ہم تیرے جمال کو دیکھ کر اپنی جان کو تازہ کریں گے (۲) یہ جُرم کہ ہم بغیر تیرے دیکھے زندہ رہے ہیں۔ تیری امید وصل کے سر ڈالیں گے۔

بنو بیگم دہلی کی رہنے والی تھی۔ نہایت ذکی اور ذہین تھی۔ نہایت رنگین شعر کہتی تھی۔ ایک یہ شعر اُس سے یادگار ہے۔

گر میسّر شود آں رُوئے چو خورشید مرا بادشاہی چہ کہ دعوای خدائی بکنم

ترجمہ (۱) اگر میرا معشوق مجھے ملجائے تو بادشاہی تو کیا چیز ہے میں خدائی کا دعوے بھی نہ کروں۔

ردیف یائے فارسی

پری بیگم۔ نیشاپور کی رہنے والی تھی کلام نہایت مست ہوتا تھا ایک ہی شعر تذکرہ اختر تاباں سے ملسکا جو درج ہے۔

سراسر جانی اے باد صبا در قالب شو تم سرت گردم گر در کوے او بسیار میگردی

ترجمہ۔ اے بادِ صبا میرے قالب شوق میں تو سراسر جان معلوم ہوتی ہے میں تیرے قربان جاؤں شاید تو اسکی گلی میں بہت چکر لگاتی ہے۔

ردیف تائے فوقانی

تصویر۔ مرشدآباد کی رہنے والی تھی ملقبیس خانم نام تھا۔ اُردو کی شاعرہ تھی میر جوشش عظیم آبادی نے مصنف تذکرہ اختر تاباں سے بیان کیا کہ اگرچہ یہ صرف اُردو میں شعر کہتی تھی مگر ایک شعر فارسی بھی اسی کا ہے

فتنہ زائی منت شناختہ ام　　　بد بلائی منت شناختہ ام

ترجمہ۔ تو بڑا فتنہ پرداز ہے میں نے تجھے خوب سمجھ لیا ہے۔ تو بڑا بد بلا ہے میں نے تجھے پہچان لیا ہے۔ میر جوشش عظیم آبادی کا بیان ہے کہ ایک روز یہ اپنے بچہ کو گود میں لئے گھر کے صحن میں کھڑی تھی اور کھلا رہی تھی۔ میر عشقی جو اس کے شوہر تھے باہر سے آگئے اور اس حال میں اُسکو دیکھ کر یہ مصرع پڑھا

دیدم بدوش آن مہ طفلے پری نژادے

تصویر سے رہا نہ گیا اور فوراً دوسرا مصرع لگا کر شوہر کے سامنے پڑھا۔ عجیب غریب مصرع کہا ہے۔ ع چوں مصرعے کہ باشد پیوند مستزادے۔

تو تی - ایک ایرانی پردہ نشین خاتون کا تخلص تھا۔ مرزا کمال الدین سنجر قزوینی مرزا سپہر لسان الملک مولف ناسخ التواریخ کی زبانی صاحب تذکرہ اختر تاباں نقل کرتے ہیں کہ توتی کے شوہر۔ امرد پرست ایرانی مذاق کے بزرگ تھے۔ ایک لڑکے پر ایسے فریفتہ تھے کہ بیچاری توتی کی طرف کبھی ملتفت ہی نہ ہوتے تھے۔ توتی اپنے شوہر کی اس نامعقول حرکت سے عاجز تھی ایک دن جان پر کھیل کر یہ رباعی کہی اور شوہر کے حوالے کی۔

آں شوخ کہ ہست حسن عالمگیرش   یارب چہ شود شبے بخوابم زیرش

اے خواجہ بیا تا من و تو صلح کنیم   تو با... تش بساز و من با... ش

شوہر کے دل پر یہ رباعی سن کر ایک چوٹ لگی سخت متنبہ ہوا اور اسی دن سے اپنی بدنما حرکت کو چھوڑ کر توتی کی طرف متوجہ ہوگیا۔ اور عمر بھر ایسی خلاف فطرت حرکت سے مجتنب رہا۔

تونی آتوں۔ ملا بقائی کی بیوی تھی۔ ملا بقائی امیر علی شیر کا مصاحب اور مقرب تھا۔ نہایت ظریف اور بذلہ سنج آدمی تھا۔ میاں بیوی میں اکثر مشاعرہ ہوا کرتا تھا۔ اور ایک دوسرے پر چوٹیں چلا کرتے تھے ایک دن بقائی نے یہ رباعی کہی اور چھیڑ کے لئے تونی آتوں کے روبرو پڑھی۔

یاراں ستم پیرہ زنے کشت مرا　　کاواک شدہ چونے از و پشت مرا

گر پشت بسوئے او دمے خواب کنم　　بیدار کند بضرب انگشت مرا

ترجمہ۔ (۱) یارو مجھے ایک بڑھیا عورت کے ستم نے مار ڈالا میری کمر نئے کی طرح اُس کی وجہ سے خالی ہو گئی ہے (۲) اگر دم بھر اُسکی طرف پشت کرکے لیٹتا ہوں تو اُنگلی کے ٹھوکے دے دے کر مجھے جگا دیتی ہے۔

حاضر جواب تو نی آتوں بھلا کب چُوکنے والی تھی فوراً اسنے جواب دیا۔

ہم خوابگی سست رگے کشت مرا　　روزی نبود از و بجز پشت مرا

قوت نہ چنانکہ پا تواند برداشت　　بہتر بود از پشت دو صد مشت مرا

ترجمہ (۱) ایک عنیں نامرد کے پاس سونے نے مجھے مار ڈالا سوائے پیٹھ کے اور کچھ مجھے اُس سے روزی نہیں (۲) اتنی بھی قوت نہیں کہ پاؤں اُٹھا سکے پشت سے تو میرے لئے دو سو گھونسے بہتر ہیں۔

مگر جواہر العجائب میں یہ رباعی یوں درج ہے۔

مُلّا ہمہ ناز و غمزہ ات کشت مرا　　تا چند زنی طعنہ بانگشت مرا

شبہا ہمہ پشت سوئے من خواب کنی　　بگزار کہ دل گرفت از پشت مرا

ترجمہ۔ (۱) مُلّا تیرے ناز و غمزہ نے مجھے مار ڈالا کب تک انگلی ٹہکا ٹہکا کر

مجھے طعنے دیگا (۲) راتوں کو تو میری طرف پشت پھیر کر سوتا ہے۔ بس ہٹ
اِس پشت سے میں عاجز ہوگئی۔ میرا جی بھر گیا۔

ردیف جیم

جانان بیگم۔ عبدالرحیم خانخانان کی لڑکی تھی۔ نہایت حسین۔ و خوبصورت
ذکی اور ذہین تھی۔ جہانگیر نے جب اسکے حُسن عالمگیر کا شہرہ سُنا تو نادیدہ عاشق
ہوگیا۔ اور منگنی کا پیام دیا۔ مگر خانخاناں کو منظور نہ تھا۔ اسواسطے وہ بہت
رنجیدہ ہوا۔ اور لڑکی کے دانت اُکھڑوا اور سر منڈوا کر دربار میں حاضر کر دیا۔
بادشاہ کو بیحد افسوس ہوا۔ اور انعام و اکرام دے کر رخصت کر دیا۔ سنہ ۱۰۶ھ
میں انتقال کیا۔ یہ شعر اُسی کا ہے۔

عاشق زخلق عشق تو نہاں چہ ساں کند   پیداست از دو چشم ترش خوں گریستن

ترجمہ۔ عاشق دنیا سے تیرا عشق کیونکر چھپائے۔ اُسکی دونوں چشم تر
سے خون رونا ظاہر ہوتا ہے۔

جمیلہ۔ صفاہان کی رہنے والی ایک خوش فکر عورت تھی۔ صرف ایک
شعر اُس سے یادگار ہے۔

جز خار غم نرست ز گلزار بخت ما — آنہم خلید در جگر لخت لخت ما

ترجمہ۔ ہمارے نصیبہ کے باغ میں غم کے خار کے سوا اور کچھ اُگا ہی نہیں۔
اور وہ کانٹا بھی ہمارے ہی جگر لخت لخت میں چُبھا۔

جہاں آرا بیگم۔ ہندوستان کے مشہور و معروف بادشاہ شاہجہان کی
بیٹی اور اورنگ زیب عالمگیر کی حقیقی بہن تھی۔ یہ عفیفہ ممتاز محل نامور بیگم کے بطن
سے بتاریخ ۲۱۔ صفر المظفر سنہ ۱۰۲۳ھ مطابق یکم اپریل سنہ ۱۶۱۴ء ایسے وقت میں
پیدا ہوئی۔ جبکہ اسکا نامور باپ شاہجہاں شاہزادہ خرم کی حیثیت سے رانا امر سنگھ
والی اودے پور سے حکم شاہی کی بموجب معرکہ آرا تھا۔ جس وقت جہاں آرا پیدا
ہوئی وہی زمانہ شاہجہاں کی فتح اور کامیابی کا تھا۔ اس مولود کو سب نے نہایت
مسعود خیال کیا۔ اور نہایت خوشیاں منائی گئیں۔ اور اسکو اسکے دادا شاہنشاہ
نور الدین جہانگیر کے پاس بھیجدیا گیا۔ سن شعور پر پہونچتے ہی اسکی تعلیم و تربیت
شروع ہوئی اور نہایت اعلیٰ پیمانہ پر تعلیم دلائی گئی۔ جہاں آرا علم عربی۔ فارسی
اور حفظ قرآن قرأت و تجوید خوشنویسی وغیرہ وغیرہ ہر ایک بات سے بخوبی بہرہ مند
تھی سنہ ۱۰۳۷ھ میں جہاں آرا کی عمر تقریباً ۱۴ برس کی تھی یہی وہ سال ہے کہ شاہجہاں
تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوا۔ جہاں آرا نے بھی ہدایا کے طریق پر نذر و نیاز

پیش کئے جسکے صلہ اور صلہ میں شاہجہان نے تقریباً بیس۲۰ لاکھ روپیہ کے زیورات اُس کو عطا کئے۔

جب ۱۰۴۰ھ مطابق ۱۶۳۱ء میں ممتاز محل راہی ملک بقا ہوئی تو شاہجہاں نے ازراہ عنایت وہ اختیارات جو اُسکو حاصل تھے جہاں آرا کے سپرد کر دئے۔

جہاں آرا بیگم کو کتب اخلاق و تصوف سے بہت گہری دلچسپی تھی وہ اپنا زیادہ وقت قرآن کی شریف تلاوت میں صرف کیا کرتی تھی۔ باقی وقت خانگی ذمہ داریوں کی ادائگی میں صرف ہوتا تھا۔ یکایک ۱۰۵۴ھ مطابق ۱۶۴۴ء کو جب حرم شاہی میں ایک جشن نہایت تزک و احتشام سے کیا گیا تھا تو اتفاقاً ایک موم بتی سے اُسکے آنچل میں آگ لگ گئی جس سے زخمی ہوکر عرصہ تک بیمار رہی۔ اچھے ہونے پر بادشاہ نے اسکو بہت سے انعامات شاہی سے سرفراز کیا جسکی تفصیل اسکی خاص سوانحعمری میں موجود ہے۔ جب شاہ جہاں نظر بند ہوا تو عین حیات تک جہاں آرا اسکی خدمت میں مشغول رہی بلکہ اور بھی عجیب و غریب کام جو اُسنے کیا وہ یہ تھا کہ عالمگیر کے لئے شاہجہاں سے اُسکے قصوروں کا معافی نامہ لکھوایا۔ اورنگزیب کی تخت نشینی پر بھی اُسکا اعزاز وہی رہا جو شاہجہاں کے سامنے تھا۔ خود عالمگیر نے بھی اسکو تنزد نقاب بیگم خطاب دیا اور ایک لاکھ اشرفیاں مرحمت کیں اسکے لئے

زندگی بھر جہاں آرا نہایت معزز طریقہ سے بسر کرتی رہی اور ہمیشہ عالمگیر کی مصاحب خاص اور مشیر کی حیثیت سے رہی ۱۰۹۲ھ مطابق ۱۶ اپریل ۱۶۸۱ء میں ستر برس کی عمر میں جہاں آرا نے وفات پائی اور دہلی میں حضرت امیر خسرو کے مزار کے قریب مدفون ہوئی۔ اسکا مقبرہ سفید سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے گرداگرد کی جالیاں بیحد نفاست سے کاٹی گئی ہیں۔ اُسپر کوئی چھت نہیں ہے اور اسطرح سے گویا آسمانی برکات اُسپر ہمیشہ بعد مرگ بھی نازل ہوتے ہیں۔ اسکے لوح مزار پر خود اسی کا یہ شعر لکھا ہوا ہے۔

هو الحی القیوم

بغیر سبزہ نہ پوشد کسے مزار مرا
کہ قبر پوش غریباں ہمیں گیاہ بس است

جہاں آرا نہایت نیک مزاج متدین اور پارسا تھی۔ صوفیائے کرام کے ملفوظات سے اسے بہت شوق تھا اُسنے اپنی شادی نہیں کی۔ مگر عمر بھر نہایت پارسائی کے ساتھ زندگی بسر کی۔ اگرچہ مغربی مصنفوں نے اُسکے شادی نہ کرنے کی بنا پر اُسپر بہت سے الزام لگائے ہیں مگر ان میں تعصب کے سوا اور کوئی اصلیت نہیں وہ نہایت علم دوست تھی اسکو لغویات سے نفرت قطعی تھی شعر و شاعری کے

کمال دلچسپی رکھتی تھی۔ نثر میں اسکی تصنیف مونس الارواح ہے اسنے اپنا سیاحت نامہ بھی مرتب کیا ہے۔ مشہور ہے کہ اُسنے ایک مثنوی بھی لکھی مگر وہ مل نہیں سکتی۔ اور اب تقریبًا ناپید ہے۔ بیقین نہیں کہا جا سکتا کہ اُس کا دیوان غزلیات مرتب ہوا تھا یا نہیں مگر چند شعر اب بھی یادگار ہیں جو درج کرتا ہوں۔

رُباعی

آنجا کہ کمال کبریائے تو بود — عالم نمے از بحر عطائے تو بود

مارا چہ حد حمد و ثنائے تو بود — ہم حمد و ثنائے تو سزائے تو بود

ترجمہ: جہاں کہ تیری کمال کبریائی ہو۔ تمام عالم اسکے دریائے بخشش سے ایک نم ہے (۲) ہمکو تیری حمد اور ثنا کی کیا مجال ہے۔ بس تیری حمد و ثنا تیری ہی حمد و ثنا کی لائق ہے

اے بو صفت بیان ما ہمہ ہیچ — ہمہ آن تو آن ما ہمہ ہیچ

ہر چہ بیند خیال ما ہمہ نقص — ہر چہ گوید زبان ما ہمہ ہیچ

ما بہ کنہ حقیقت نرسیم — اے یقین و گمان ما ہمہ ہیچ

ترجمہ۔ اے وہ ذات کہ تیرے وصف میں ہمارا بیان بیکار ہے۔ تمام تیری ملکیت ہے اور ہماری ملک کچھ نہیں (۲) جو کچھ ہمارا خیال دیکھتا ہے وہ سب

نقصان ہیں۔ اور جو ہماری زبان کہتی ہے وہ سب ہیچ ہے (۳) ہم تیری کنہ حقیقت کو نہیں پہونچ سکتے یعنی ہمارا یقین اور گمان سب ہیچ ہیں۔

شاہجہاں کے انتقال پر جہاں آرا نے یہ پُر درد مرثیہ کہا۔

اے آفتاب من کہ شدی غائب از نظر | آیا شب فراق ترا ہم بود سحر
اے بادشاہ عالم و اے قبلۂ جہاں | بکشائے چشم رحمت و بر حال من نگر
حالم چنیں ز غصہ دما دم بود بدست | سوزم چو شمع در غم و دودم رود زسر

جہاں آرا کے دربار سے اکثر نامی شعرا انعام و اکرام پاتے رہتے تھے۔ اور بقدر لیاقت سب اسکے جود و کرم سے بہرہ مند تھے۔ چنانچہ محمد علی ماہر اکبر آبادی نے جہاں آرا کی تعریف میں مثنوی کہی اور پیش کی۔ تو صرف اس شعر کے صلے میں اس فیاض اور سخن فہم بیگم نے پانچسو روپے انعام دئے۔

بہ ذات او صفات کردگار است | کہ خود پنہان و فیضش آشکار است

ترجمہ۔ اسکی ذات میں صفات خداوندی پائی جاتی ہیں یعنی وہ خود چھپی ہوئی ہے اور اسکا فیض ظاہر ہے ایسے ہی ایک مرتبہ جہاں آرا بیگم باغ کی سیر کے لئے نکلی تو میر صیدی طہرانی نے یہ مشہور مطلع کہا۔

برقع برُخ افگندہ برد ناز بباغش | تا نکہت گل بیختہ آید بہ دماغش

ترجمہ ۔ ناز اسکو برقع پہنا کر باغ میں اسلئے لیجاتا ہے۔ تاکہ پھول کی خوشبو چھن چھن کر اسکے دماغ میں آئے۔ بیگم نے شعر کو بہت پسند کیا۔ مگر اس شوخی پر بیحد غصہ آیا۔ حکم دیا کہ شاعر کو کشاں کشاں سامنے لاؤ چنانچہ میاں صیدی پکڑے گئے اور سامنے لائے گئے۔ باربار مطلع سُنا اور پانچہزار انعام دیکر شہر بدر ہونے کا حکم دیدیا۔

ایسے ہی ملک الشعراء حاجی محمد جان موسی قدسی نے جہاں آرا کے جلجانے کے متعلق ایک قصیدہ لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ بادشاہی انعام جو کچھ ملا ہو۔ مگر خود جہاں آرا نے پانچہزار روپیے اس شعر کے صلے میں انعام دئے۔

تا سر زدہ از شمع چنیں بے ادبی　　　پروانہ ز عشق شمع را سوختہ است

ترجمہ جب سے کہ شمع سے یہ بے ادبی ہوئی ہے۔ پروانہ نے عشق سے شمع کو جلایا ہے۔

جہاں خاتون ۔ شیراز کی رہنے والی تھی نہایت عمدہ شعر کہتی تھی۔ حافظ شیرازی کی معاصر تھی۔ اکثر دونوں میں باہم شاعرانہ ملاقات ہوا کرتی تھی ایک دن ملاقات کے لئے گئی تھی کہ خواجہ نے اپنی یہ غزل پڑھکر جہاں خاتون کو سنائی

دِرم از یار است و درماں نیز ہم　　　دل فدائے او شد و جاں نیز ہم

پڑھتے پڑھتے جب اس شعر پر پہونچے۔

اعتمادے نیست بر کار جہاں　　بلکہ بر گردوں گرداں نیز ہم

جہاں خاتون نے یہ صوفیانہ شعر سنکر فی البدیہ یہ شعر کہا۔

حافظا ایں مئی پرستی تا بہ کے　　مے ز تو بیزار و مستاں نیز ہم

ترجمہ۔ اے حافظ یہ شراب خواری کب تک۔ تجھ سے شراب بھی بیزار ہے اور شراب خوار بھی

یہ شعر بھی جہاں خاتوں کا ہے۔

مصورے است کہ صورت ز آب میسازد　　ز ذرہ ذرہ خاک آفتاب می سازد

ترجمہ۔ ایسا مصور ہے کہ پانی سے صورتیں بناتا ہے اور ایک ایک ذرّہ سے آفتاب بناتا ہے۔

جہاں خانم۔ ناصر الدین شاہ قاچار کی والدہ کا نام تھا۔ بطریق تفنن طبع کبھی کبھی شعر و شاعری کی طرف متوجہ ہوتی تھیں۔ اور جو کچھ کہتی تھیں خوب کہتی تھیں۔ کیوں نہو ایک تو اہل زبان اور پھر بادشاہ وقت پھر اگر اچھا شعر یہ نہ کہتیں تو اور کون کہتا۔ مگر افسوس کہ کلام اسوقت دستیاب نہیں ہوتا مجبوراً دو شعر جو اخلاقی درجہ رکھتے ہیں لکھے دیتا ہوں۔

از مرد و زن آنکہ ہوشمند است　　اندر ہمہ حال سربلند است

بیدانش اگر زنست و گر مرد باشد مثل چو خار بے ورد

ترجمہ۔ مرد اور عورتوں میں سے جو عقلمند ہے۔ وہ ہر حال میں سربلند ہے (۲) بے عقل خواہ عورت ہو یا مرد ہو وہ بیکار اُس کانٹے کی طرح ہے جس کے پاس گلاب نہیں ہے۔

جہانی۔ دہلی کی رہنے والی تھی۔ نہایت عمدہ شعر کہتی تھی۔ اب ایک شعر یادگار ہے۔

گل و باغ و رخ آن غنچہ دہن ہر دو یکیست قد رعنائے وے و سرو چمن ہر دو یکیست

ترجمہ۔ باغ کے پھول اور اُس غنچہ دہن کے رخسار دونوں ایک ہیں۔ اسکا قد رعنا اور سرو چمن دونوں ایک ہیں۔

ردیف حاء حطّی

حاکمی۔ یہی تخلص تھا اور غالباً یہی نام تھا۔ شہر خواف کی حاکم تھی کبھی فکر سخن کرتی تھی۔

کماں ابروئے من فکر من زار بلاکش کن
فگن در سینہ ام تیرے و پیکانش در آتش کن

ترجمہ۔ اے میرے کمان ابرو مجھ ناتوان بلاکش کے لئے کچھ فکر کر، میرے سینہ پر ایک تیر لگا اور اسکا پیکان آگ میں گرم کرلے۔

حجابی۔ استرآباد کی رہنے والی۔ خواجہ ہادی کی لڑکی تھی نہایت حسین اور صاحب جمال تھی اور اس قدر عصمت مآب تھی کہ خلوت اور جلوت میں مُنھ پر نقاب ڈالے رہتی تھی اسی مناسبت کیوجہ سے اُسکا تخلص حجابی ہوا تھا ایک شعر اُس سے یادگار ہے جو تذکرہ مرأۃ الخیال سے لکھا جاتا ہے۔

مہ جمال تو و آفتاب ہر دو یکے است　　خط عذار تو و مشک ناب ہر دو یکے است

ترجمہ۔ تیرے جمال کا چاند اور آفتاب دونوں ایک ہیں، تیرے رخسار کا خط اور مشک خالص دونوں برابر ہیں۔

حجابی استرآبادی۔ استرآباد کی رہنے والی تھی نہایت حسین و جمیل تھی ملا ہلالی کی لڑکی تھی۔ اور شعر گوئی میں مشاق اور شہرۂ آفاق تھی

بہار سبزہ و گل خوش بروئے جانان است　　وگرنہ ہر یک ازیں جملہ آفت جان است

بغنچہ مہر چہ بند دز گل چہ بکشاید　　دلے کہ خوں شدہ از خار خار ہجران است

حدیث زلف دلاویز آں نگار امشب　　زمن مپرس کہ بس خاطرم پریشان است

مگوئے شعر حجابی کہ نزد سیمبراں　　ہزار بیت و غزل پیش حبہ یکسیان است

ترجمہ۔ اگر معشوق سامنے ہو تو سبزہ و گل کی بہار اچھی معلوم ہوتی ہے ورنہ ان سب میں سے ہر ایک آفت جاں ہے (۲) غنچہ کے ساتھ محبت کیا کرے۔ اور پھول سے کیا شگفتہ ہوتا ہے۔ جو دل جدائی کے کانٹوں سے خون ہو گیا ہے (۳) اُس کی زلف دلاویز کی باتیں آج کی رات مجھ سے مت پوچھ میرا دل بہت پریشان ہے (۴) اے حجابی شعر مت کہہ معشوقوں کے نزدیک ہزار بیت اور غزل سب یکساں ہیں۔

اسی غزل میں یہ شعر خوب کہا ہے۔

مراں بخواریم اے باغباں ز گلشن خویش　　کہ پنج روز دگر گل بہ خاک یکساں است

ترجمہ اے باغباں اپنے باغ سے مجھے خواری کے ساتھ نہ نکال۔ کہ پانچ دن بعد پھول اور خاک یکساں ہو جائینگے

حجابی جرباد قانیہ۔ ایران کی ایک شاعرہ تھی بہت عمدہ شعر کہتی تھی وہ شعر مل سکے ہیں حاضر ہیں۔

حفظ ناموس تو شد مانع رسوائی من　　ورنہ مجنوں تو رسوا تر ازیں مائی نیست

بغم خویش کسے کز تو یک سخن نشنود　　اگر کند گلۂ از تو شرمسار تو نیست

ترجمہ (۱) تیرا حفظ ناموس میری رسوائی کا مانع ہوا۔ ورنہ تیرا مجنوں اس سے

زیادہ رُسوا ہونا چاہیئے تھا اپنی عمر کے دور میں جسنے کبھی تجھ سے ایک بات بھی نہیں سُنی. اگر وہ کوئی گلہ کرے تو تجھ سے اُسسے شرمندہ ہونا چاہیئے۔

حسینہ تخلص اور حسینہ بیگم نام ہے مصنف تذکرۂ اختر تاباں کی والدہ ماجدہ کا اکثر اُردو اور کبھی کبھی فارسی کا شعر بھی کہتی تھیں۔ مگر جو کچھ کہتی تھیں چند روز کے بعد خود ہی اُس کلام کو ضایع کر دیتیں اور فرمایا کرتی تھیں کہ میں صرف بطریق تفنن طبع شعر کہتی ہوں۔ مجھے اس سے کوئی فائدہ یا شہرت مقصود نہیں ہے۔ بھوپال میں انتقال کیا۔ اور وہیں شہر کے باہر مغرب کی طرف قلعہ کی فصیل کے پاس احمد علی شاہ کے تکیہ میں مدفون ہیں۔ اور سرلوح مزار پر یہ شعر جو اُنکے شوہر کے ہیں لکھے ہیں۔

چوں حسینہ بیگم عفت سرشت — دفعتاً دنیائے فانی را بہشت
جست عباس حزیں تاریخ او — باادب فرمود رضوان بہشت
برسر لوح مزارِ پاک آں — فادخلی فی جنّتی باید نوشت
۱۲۴۸ھ

یہ پانچ شعر اس عفیفہ سے یادگار ہیں۔

نقش نگیں دلم صورت جاں پرورت — ورد زبانم بود روز و شبان نام تو
ایں مصرع عجیب چہ خوش گفت عاقلے — دیوانہ باش تا غم تو دیگراں خورند

چشم ہر کس صبحدم افتد بروے آں صنم	روز او تا شام باشد ہمچو نام و شام عید
ماہ نو ہر کس ہمی بیند برُخ آں ماہ رو	ماہ کامل بگذرد او را بہ شادی بیگماں
حسرت گردم کجا بودی تو امروز	وصالت شد مرا عید دل افروز

ترجمہ - میرے دل کے نگینہ پر تیری صورت جاں فزا نقش ہے اور میری زبان کا ورد رات دن تیرا نام ہے (۲) یہ مصرع عجیب کسی عقلمند نے کیا خوب کہا ہے۔ دیوانہ رہ کہ تیرا غم دو کر کھائیں (۳) صبح کے وقت جو کوئی اُسکو دیکھتا ہے اُسکا دن صبح سے شام تک نام و روز عید کی طرح گزرتا ہے (۴) شروع ماہ میں جو کوئی اُس ماہ کا مُنھ دیکھتا ہے تمام مہینہ اُس کا خوشی کے ساتھ گزرتا ہے (۵) تیرے قربان تو آج کہاں تھا تیرا وصال میرے لئے عید ہو گیا۔

حیاتی بیگم - نور علی شاہ صوفی کی اہلیہ تھی۔ شعر کہتی تھی اور خوب خوب کہتی تھی۔ افسوس ہے کہ اس شاعرہ کا مفصل حال سکونت وغیرہ کا مجھے معلوم نہ ہو سکا ایک قلمی بیاض سے یہ شعر ملے۔

منع دلم از نالہ مکن در پئے محمل	کز نالہ کسے منع نکرد است جرس را
چارۂ درد من بیچارہ را	داند و عمداً تغافل میکند

مثنوی

ایا طائر قدس عرش آشیاں   مجو دانہ از دام این خاکداں
قفس بشکن و بال و پر باز کن   بہ گلگشت گلزار پرواز کن

ترجمہ۔ میرا دل اگر تیرے محل کے پیچھے روتا ہے تو اُسکو منع مت کر کسی نے نالہ سے جرس کو منع نہیں کیا ہے (۲) مجھ بیچارہ کے درد کا علاج وہ جانتا ہے اور جان کر تغافل کرتا ہے (ترجمہ مثنوی) خبردار ہو اے طائر عرش آشیاں۔ اس خاکدان سے دانہ مت ڈھونڈھ (۲) قفس کو توڑ دے اور پر کھولدے۔ اور گلزار کی گلگشت میں پرواز کر۔

حاجیہ۔ یہ ایرانی شاعرہ فتح علی شاہ قاچار کی حرم محترم تھی۔ نہایت نیک مزاج اور خوش گو تھی اُسکا کلام یہ ہے اکثر نعت کہتی تھی۔

طواف کعبہ مرا حاجیہ میسر شد   خدا زیارت طیبہ کنوں نصیب آید

ترجمہ۔ اے حاجیہ مجھے کعبہ کا طواف میسر ہوگیا۔ اب خدا طیبہ کی زیارت نصیب کرے۔

ردیف خاء معجمہ

خان زادہ۔ فخر النسا نام تھا امیر یادگار خاں کی لڑکی تھی تبریز کی

رہنے والی تھی شعر نہایت عمدہ کہتی تھی۔ یہ مطلع اُس سے یادگار ہے۔

شبے در منزل ما میہماں خواہی شدن یا نے ۔۔۔ انیس خاطر این ناتوان خواہی شدن یا نے

ترجمہ تو ایک رات ہمارے گھر مہمان ہونا چاہتا ہے یا نہیں۔ اس ناتوان کے دل کا انیس ہونا چاہتا ہے یا نہیں۔

تذکرہ مراۃ الخیال کا مصنف لکھتا ہے کہ یہ شاعرہ اسقدر حسین تھی کہ شاید اُسکا اُسوقت کوئی ہمسر نہ تھا۔

خاتون قطب الدین کرمانی کی لڑکی کا تخلص ہے بہت عمدہ شعر کہتی تھی سعدی کی معاصر تھی ۶۹۴ھ میں انتقال کیا۔ حسین قلی خاں کے تذکرہ میں یہ رُباعی خاتون کے نام سے لکھی ہے

بس غصہ کہ از چشمۂ نوش تو رسید ۔۔۔ تا دست من امروز بدوش تو رسید

در گوش تو وا نہاے دُر می سفتیم ۔۔۔ آب چشم مگر بہ گوش تو رسید

تذکرہ جواہر العجائب ملا فخری ہروی میں جو طہماسپ شاہ معاصر اکبر بادشاہ کے عہد میں لکھا گیا ہے اُسمیں یہ رُباعی بھی اسی کے نام سے لکھی ہوئی ہے۔

آں روز کہ در ازل نشانش کردند ۔۔۔ آسائش جاں بے بدلانش کردند

دعوے بلب نگار میکرد نبات ۔۔۔ زاں رشتہ بہ چوب بادہانش کردند

میرزا آفتاب طہرانی نے یہ پانچ شعر مصنف اختر یاباں کو اسی کے نام سے سنائے تھے

من آن زنم کہ ہمہ کار من نکو کاری است ... بزیر مقنع من بس سرہ کلہ داری است
درون پردہ عصمت کہ جایگاہ منست ... مسافران صبا را گزر بہ دشواری است
جمال و سایہ خود را دریغ میدارم ... ز آفتاب کہ آن کوچہ گرد بازاری است
نہ ہر زنی بدو گز مقنع است کد بانو ... نہ ہر سری ز کلاہی سزای سرداری است
ہمیشہ با دسرزنان زیر مقنع او ... کنار دیو و سرای ز عصمت نکو کاری است

ترجمہ۔ رباعی اول۔ چونکہ تیرے چشمہ نوش یعنی لبوں سے بہت رنج پہونچا یہاں تک کہ آج میرا ہاتھ تیرے دوش تک پہونچا۔ میں تیرے کان میں موتی کے دانے دیکھ رہا ہوں میری آنکھ کا پانی شاید تیرے کانوں میں پہونچگیا۔

ترجمہ۔ رباعی دوم۔ حبیب ازل کے دن اسکو منتخب کرکے۔ بیدلوں کی جان کا آرام بنایا۔ تو مصری اسکے شیریں ہونٹوں کے مقابلہ کا دعوے کر رہی تھی اسی لئے تین لکڑیاں اسکے منہ میں ٹھونس دی گئیں مصری لکڑیوں پر بنائی جاتی ہی)

ترجمہ اشعار (۱) میں وہ عورت ہوں کہ میرا ہر کام نیکی ہے میرے دوپٹہ کے نیچے مرد کا دبدبہ اور سرداری ہے (۲) میں عصمت کے پردہ کے اندر رہتی ہوں۔ جہاں ہوا کا بھی گزر نہیں ہو سکتا (۳) میں اپنے جمال اور اپنے سایہ کو آفتاب سے چھپاتی ہوں

کیونکہ وہ ایک کوچہ گرد اور بازاری ہے۔ (۴) ہر عورت دو گز کا ڈوپٹہ اوڑھ کر کدبانو نہیں بن سکتی۔ ہر کوئی ٹوپی پہن کر سردار بننے کے قابل نہیں ہو جاتا (۵) عورت کا سر ہمیشہ دوپٹہ میں چھپا رہنا چاہیئے اور وہ ڈوپٹہ بھی ایسا ہونا چاہیئے جسکا تانا بانا عصمت اور نیکوکاری سے ہو۔

ردیف دال

دختر - ایک شاعرہ عفیفہ روزگار کا تخلص تھا جو ایران کی رہنے والی تھی یہ شعر اُسی کا ہے۔

مگو رسوائے عشق از مردم عالم غمی دارد   کہ عاشق گشتن و رسوا شدن ہم عالمے دارد

ترجمہ - یہ نہ سمجھ کہ رسوائے عشق دنیا کے آدمیوں سے کچھ آزردہ ہے۔ کیونکہ عاشق ہونا اور بدنام ہونا بھی ایک شان رکھتا ہے۔

دلشاد خاتون - امیر علی جلایر کی صاحبزادی تھیں نظم و نثر دونوں خوب لکھتی تھیں۔ یہ شعر نمونتاً درج ہیں۔

اشکے کہ سرز گوشہ چشم برون کند   بر روئے من نشیند و دعوے خون کند

حل شد از غم ہمہ مشکل کہ مرا در دل بود   جز غم عشق کہ حل کردن آن مشکل بود

ترجمہ ۔ جو اشک میری آنکھوں سے نکلتا ہے ۔ وہ میرے منہ پر آتا اور خون کا دعویدار ہوتا ہے (۲) غم سے میری وہ تمام مشکلیں حل ہو گئیں جو میرے دل میں تھیں نہوا تو غم عشق حل نہ ہوا ۔ اسکا حل ہونا دشوار تھا ۔

ردیف را

رابعہ صفاہانیہ ۔ اصفہان کی رہنے والی ایک شاعرہ خوشگو خوبرو کا نام ہے جو دولت سامانیہ میں زندہ تھی ۔ یہ اسکے شعر ہیں ۔

دعوتم آں است بر تو کایزدت عاشق کناد ۔۔۔ بر یکے سنگیں دل و نامہرباں چوں خویشتن

تا بدانی درد عشق و داغ مہر و غم خوری ۔۔۔ چوں بہ ہجر اندر بہ پیچی پس بدانی قدر من

ترجمہ ۔ میری تیرے لئے یہ دعا ہے کہ خدا تجھے کسی کا عاشق کردے ۔ جو تجھسا ہی سنگین دل اور نامہرباں ہو ۔ تاکہ تو عشق کے درد کی اور محبت کے داغ کی حالت معلوم کرکے غم کھائے ۔ جدائی کی سختیاں اٹھائے تب تجھے میری قدر معلوم ہو غالب نے بھی ایک شعر اسی انداز کا کہا ہے ۔

عاشق ہوئے ہیں آپ بھی اک اور شخص پر ۔۔۔ آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہیئے

رخشندہ بانو ۔ بغداد کی رہنے والی تھی سنہ ۱۳۰ھ میں اپنے بھائی کیساتھ

بھوپال میں آئی تھی۔ اور شاہجہاں بیگم صاحبہ والی بھوپال بالقابہ کی خدمت میں ایک مدحیہ قصیدہ کہہ کر گزرانا تھا جسکے صلہ میں معقول انعام پایا۔ دو شعر اس کے لکھے جاتے ہیں۔

ہست امیدم کہ باشم در حضورت ہر زماں   تا بود جاں در تنم باشم ترا خدمتگذار
در جناب حضرتت باشم ہمیشہ چوں ایاز   سایہ لطف تو بر سر باشدم لیل و نہار

ترجمہ۔ مجھ کو امید ہے کہ میں تیرے حضور میں ہر وقت رہوں جان جبتک میرے جسم میں رہے میں تیرا خدمتگذار رہوں (۲) تیری بارگاہ میں ایاز کی طرح میں حاضر رہوں میرے سر پر تیری مہربانی کا رات دن سایہ رہے۔

رشحہ۔ کاشان کی رہنے والی تھی۔ اور ہاتف کاشانی کی لڑکی تھی علی اکبر نظیری کی بیوی اور مرزا احمد کشتہ کی ماں تھی۔ فتح علی شاہ قاچار کے زمانہ میں عیش و آرام سے کاشان میں رہتی تھی شعر و شاعری سے فطری ذوق اور قدرتی لگاؤ تھا۔ صاحب دیوان تھی۔ چند شعر درج کئے جاتے ہیں۔

آں بت گلچہرہ یارب بستہ از سنبل نقاب   یا بافسوں کردہ پنہاں در دل شب آفتاب
دل رفت و زخون دیدہ ما را   پیداست برخ ازیں علامت
نی تیبدار شوق دل در سینہ ام گوئی کہ باز   تیر دلدوزی بدل زابرو کمانے میرسد

بقصد صید تو چون رشحہ دیدمش گفتم — کسے ندیدہ شکار مگس کند شہباز

ترجمہ (۱) یاالٰہی اس گلچہرہ معشوق نے سنبل سے نقاب باندھی ہے۔ یا افسوں کے ساتھ رات کے دل میں آفتاب چھپا دیا ہو۔ (۲) ہمارا دل چلا گیا۔ اور خون کے آنکھوں میں بہنے سے رخسار کے اوپر یہ علامت ظاہر ہے (۳) شوق دل سے میرے سینے میں دھڑکتا ہے شاید پھر کوئی دلدوز تیر کوئی معشوق میرے سینہ میں لگا تا ہو (۴) اے رشحہ جب میں نے تیرے معشوق کو تیرے شکار کے لئے تیار دیکھا تو کہا کہ کسی نے شہباز کو مکھی کا شکار کرتے نہیں دیکھا ہو۔

ردیف زائے معجمہ

زاہدی - ایران کی رہنے والی ایک خوشگو۔ خوش مذاق تھی۔ صرف اتنا ہی معلوم ہو سکا باقی حال پردۂ خفا میں ہے۔

خوردن خون دل از چشم تر آموختہ ام — خوردہ ام خون دل و این ہنر آموختہ ام

کار من بے تو بجز خون جگر خوردن نیست — ہمہ از مردم صاحب نظر آموختہ ام

شیوۂ عاشقی و رسم نظر بازی را — ہمہ از مردم صاحب نظر آموختہ ام

تا تو صحبت چند کنی منع من از عشق بتاں — من ز استاد ازل این قدر آموختہ ام

زاری بہر طواف حرم کوئے کسے ۔۔۔ صبح خیزی ز نسیم سحر آموختہ ام

ترجمہ۔ میں نے دل کا خون پینا چشم تر سے سیکھا ہے اور میں نے دل کا خون کھا کر یہ ہنر سیکھا ہے۔ (۲) میرا کام تیری جدائی میں خون جگر کھانے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ عجب کام ہے جو خون جگر کھا کر سیکھا ہے (۳) عاشقی کے طریقے اور نظر بازی کی رسم کو۔ تمام اہل نظر سے میں نے سیکھا ہے (۴) اے ناصح تو مجھے کب تک بتوں کے عشق سے منع کریگا۔ میں نے اُستاد ازل سے اسی قدر سیکھا ہے (۵) زاری کسی کے حرم کوچہ کے طواف کے واسطے۔ صبح کو اٹھنا میں نے نسیم سحر سے سیکھا ہے۔

زبیدہ خاتون ۔ خلیفہ ہارون رشید کی چہیتی بیوی تھی۔ جسکے کارناموں سے تاریخ کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ تفنن طبع کے لئے کبھی عربی اور کبھی فارسی میں شعر کہتی تھی۔ چنانچہ یہ وہ چند شعر ہیں جو اُسنے اپنے بیٹے محمد امین کے مرثیہ میں کہے تھے

اے جان جہان ناخوش بے تو ۔۔۔ بغداد پریشان مشوش بے تو

رفتی تو و من بے تو بماندم فریاد ۔۔۔ تو در خاکی و من آتش سبے تو

ترجمہ۔ اے جان جہان تیرے بغیر جہان بُرا معلوم ہوتا ہے۔ بغداد تیرے بغیر پریشان ہو رہا ہے (۲) تو چلا گیا اور میں تجھ بغیر رہ گئی فریاد ہے۔ تو خاک میں ہے

اور میں تیری جدائی سے آگ میں ہوں ۔

زلیخا خانم ۔ توغمش خاں ترک کی بیوی تھی ۔ دہلی میں انتقال ہوا اور یہیں مدفون ہوئی ۔ قصۂ رامی و رلیس منظوم اسکا لکھا ہوا ہے ۔ مگر اب نا پید ہوگیا ۔ ظاہر ہے کہ جسنے نظم میں ایک داستان لکھی اُسنے کیا کیا کچھ نہ کہا ہوگا ۔ مگر زمانہ کی بے مہری نے سب نسیًا منسیا کردیا ۔ اسوقت صرف ایک شعر ملتا ہے جو کسی کی ہجو میں کہا ہے ۔

ازاں ہستی بعالم شوخ و اوباش　　　دو چشمانت جواں شیر قزلباش

ترجمہ تو اس سبب سے دنیا میں شوخ و اوباش ہے کہ تیری دونوں آنکھیں جوان شیر قزلباش ہیں ۔

زہرہ ۔ لکھنؤ کی رہنے والی ایک رقاصہ کا نام تھا جسکا ذکر اُردو گویوں میں کیا جاچکا ہے ۔ عروض و قافیہ سے باخبر تھی ۔ فارسی کتب درسیہ سب نکلی ہوئی تھی ۔ آغا علی شمس سے اصلاح لیتی تھی ۔ اسکی غزل گوئی سے اسکی غزلخوانی بہت بہتر تھی ۔ آخر میں ایک رئیس کے گھر بیٹھ گئی ۔ اور پیشہ سے توبہ کرکے تمام عمر عفت و عصمت سے بسر کی ۔ یہ اسکا کلام ہے

سہے ہیں چہ بجیا ست کہ دیش مرباں　　　پروانہ را بہ بزم [illegible] گرد شمع

ترجمہ۔ ہائے ہائے کیسی بے حیا ہے کہ لوگوں کے سامنے شمع کو پروانہ نے بغل میں لے لیا۔

رفتہ رفتہ تا بحالم مہرباں گردد طبیب ۔۔۔ ایں جراحتہا کہ من دارم کہن خواہد شدن

ترجمہ آہستہ آہستہ جبتک کہ طبیب میرے حال پر مہربان ہو۔ جو زخم میرے بدن میں ہیں پرانے ہوتے جاتے ہیں۔

خسرو از من کہ برد تا بغلام بابا ۔۔۔ زہرہ در بزم غزل تازہ نوائے دارد

ترجمہ میرے غلام بابا کو کون خبر پہونچائے کہ زہرہ غزل کی محفل میں تازہ نوا رکھتی ہے۔

غلام بابا ایک مدرس شوکتی کا نام تھا۔ شاید ان سے کچھ ایسے تعلقات ہوں گے جنکی بنا پر یہ شعر کہا گیا۔

زیب۔ ہندوستان کی نہایت مشہور شاعرہ زیب النسا بیگم کا تخلص ہے جیسے غالبا مخفی اور زیب دونوں تخلص اختیار کرتی تھی شاہ عالمگیر کی لڑکی تھی۔ جو ۱۰۴۸ھ میں دلرس بانو دختر شاہ نواز خان صفوی کے بطن سے پیدا ہوئی۔ زیب النسا جب پڑھنے لکھنے کے قابل ہوئی تو اسکی تعلیم و تربیت حافظہ مریم عنایت اللہ خاں کی ماں کے سپرد ہوئی عنایت اللہ خاں ایک نہایت امیر کبیر

آدمی تھا جو دربار عالمگیری میں کسی عہدے پر ممتاز تھا اوّل میں قرآن شریف حفظ کرایا گیا - بعدہٗ اسکو فارسی عربی کی تعلیم دلائی گئی - اور اسمیں استادی کا فخر ملا سعید اشرف مازندرانی کو حاصل ہوا اُسوقت زیب النساء کی عمر اکیس سال کی تھی - چونکہ ملا سعید اشرف مازندرانی ایک شاعر بھی تھے لہذا شاہزادی کے کلام نظم کی بھی اصلاح کرتے رہے - تیرہ چودہ برس تک تعلیم و تعلّم کے تعلّق سے ملا صاحب موصوف شاہزادی کے پاس رہے آخر ۱۰۸۳ ھ میں انھوں نے وطن جانے کا قصد کیا اور یہ قصیدہ لکھ کر زیب النساء کی خدمت میں گذرانا -

یک بار از وطن نتوان بر گرفت دل ۔۔۔ در غربتم اگرچہ فزون ست اعتبار

پیش تو قرب و بعد تفاوت نمی کند ۔۔۔ گو خدمت حضور نباشد مرا شعار

نسبت چو باطنی است چہ دہلی چہ اصفہان ۔۔۔ دل پیش تست من چہ بکابل چہ قندہار

زیب النساء نے انعام و اکرام کے ساتھ انکو رخصت کر دیا زیب النساء ایک شاعرانہ بے تعلق زندگی بسر کرنے والی آدمی تھی اور سیاسی امور سے اُسکو بالکل تعلق خاطر نہ تھا - مگر پھر بھی جب شاہزادہ اکبر نے عالمگیر سے بغاوت کی تھی - اُسوقت اسوجہ سے کہ زیب النساء اور اکبر دونوں حقیقی بھائی بہن تھے کچھ لوگوں نے زیب النساء کی طرف سے عالمگیر کو بدظن کر دیا - اور اُسکی تنخواہ چار لاکھ سالانہ اور تمام

مال و متاع ضبطی میں آگیا۔ اگرچہ اسکی بیگناہی جلد ثابت ہوگئی۔ اور پھر انکا تمام اعزاز بحال کردیا گیا۔ مگر پھر بھی اسکو کچھ نہ کچھ صدمہ ضرور پہونچا۔ عالمگیر زیب النسا کی بیحد عزت کرتا تھا۔ جب وہ باہر سے آتی تو اسکے استقبال کے لئے شاہزادوں کو حکماً بھیجدیتا۔ مگر جب عالمگیر دکن کے طویل سفر پر گیا زیب النسا دلی ہی میں رہی اور ۱۱۱۳ھ میں پیوند خاک ہوگئی۔

اگرچہ تمام مؤرخین اسبارہ میں متفق اللفظ ہیں کہ وہ عربی فارسی میں نہایت قابل تھی نسخ اور شکستہ خط میں اسکو نہایت دستگاہ تھی۔ مگر تعجب ہے کہ کوئی تذکرہ لکھنے والا مصنف اسکے دیوان کا تذکرہ نہیں کرتا۔ مولوی غلام علی آزاد ید بیضا میں یہ لکھتے ہیں "کہ ایں دو بیت از نام او مسموع شدہ"۔ اور اسکے بعد دو شعر نقل کرکے خاموش ہوجاتے ہیں۔

تذکرہ مخزن الغرائب کا مصنف لکھتا ہے کہ "اما دیوان اشعارش نظر نیامدہ مگر در تذکرہ ہا انتخابش بنظر آمدہ لیکن اعتبار را نشاید سبب آنکہ اکثر شعرا اساتذہ صاحب آن بنام بیگم نوشتہ بود"۔ اسی تذکرہ میں ذکر ہے کہ اسکے اشعار کی بیاض پانی میں گر گئی۔ ارادت فہم ایک خواص سے یہ خطا ہوئی۔ مگر یہ واقعہ قابل یقین نہیں ہے۔ اسلئے کہ حوض سے بیاض نکالی جاسکتی تھی اور پھر اسکی نقل بہت ممکن تھی

اگرچہ بہت سے لوگ اس بات پر متفق ہیں۔ کہ اُسکا کلام ضایع ہوگیا۔ مگر ایک فرقہ بھی کہتا ہے کہ یہی مطبوعہ دیوان زیب النسا، کا دیوان ہے۔ اسلئے آخر میں ہم اِس دیوان سے بھی دو چار شعر انتخاب کریں گے۔ اور وہ دو چار شعر جو قدیم تذکروں میں اسکے نام سے پائے جاتے ہیں بھی لکھدینگے۔

چونکہ وہ ایک بذلہ سنج شاعرہ تھی اسلئے بہت ممکن ہے کہ یہ لطائف جو اُسکے نام سے مشہور و معروف ہیں صحیح ہوں۔ اگرچہ اِن کے غلط ہونے کے احتمالات کچھ کم نہیں مگر ہم لکھے دیتے ہیں۔

سُنا ہے کہ زیب النسا نے ایک مرتبہ بکری کو بچّہ دیتے ہوئے دیکھا چونکہ وہ نہایت تکلیف میں تھی زیب النسا ہنسی اور یہ شعر پڑھا۔ خدا جانے اسی کا ہے۔ یا اور کسی کا۔

اے صدف تشنہ بمیر و سوئے نیساں منگر   بہر یک قطرۂ آبے کہ شکم بشگافت

یعنی اے صدف پیاسا مرجانا منظور کر اور ابر نیساں کی طرف ایک قطرہ پانی کیلئے نظر نہ اُٹھا۔ کیونکہ اسی ایک قطرہ پانی پی لینے کی وجہ سے پیٹ چیرا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ یہ مصرع طرح ہوا ع "دُرِ ابلق کسے کم دیدہ موجود" زیب النسا نے فی البدیہہ کہا۔ مگر اشکِ بتانِ سُرمہ آلود۔

ایک مرتبہ کوئی کنیز آئینہ اٹھا کر زیب النسا کے پاس لا رہی تھی۔ اتفاق وقت سے آئینہ گر پڑا۔ کنیز ڈرتی ڈرتی زیب النسار کے پاس آئی زیب النسار نے پوچھا کیا ہوا کنیز نے یہ مصرع پڑھا۔

از قضا آئینۂ چینی شکست

زیب النسا شاید شاعرانہ ترنگ میں بیٹھی ہوئی تھی غصہ کرنا یا خفا ہونا تو درکنار فوراً یہ مصرع موزوں کرکے اس مصرعہ کے ساتھ چسپاں کر دیا اور یہ اچھا خاصہ شعر ہو گیا۔

از قضا آئینۂ چینی شکست　　خوب شد اسباب خود بینی شکست

نعمت خان عالی کو کچھ روپیہ کی ضرورت تھی۔ اپنا جیغہ مرصع زیب النسار کے پاس رہن کرنے کے لئے بھیجا۔ نوابی دربار تو تھا ہی۔ کون یاد رکھتا ہے زیب النسار کو خیال بھی نہ رہا نعمت خاں تو ایک ہی بے چین طبیعت کا آدمی تھا۔ اس نے ایک رباعی لکھ کر بھیجی۔

اے بندگیت سعادت اختر من　　در خدمت تو عیاں شدہ جوہر من
گر جیغہ خریدنی است پس کو زر من　　ور نیست خریدنی بزن بر سر من

رباعی دیکھ کر زیب النسا کو بڑی ہنسی آئی اور فوراً پانچہزار روپیہ بھیج دیے اور غریب شاعر کی پگڑی بھی واپس دیدی۔ غرضکہ زیب النسار علم و فضل کی

نہایت قدردان تھی بہت سے شعرا اور ادیبوں کا اُسکے یہاں سے وظیفہ مقرر تھا اُسکی شادی نہیں ہوئی تھی۔ اور وہ نہایت زاہدانہ زندگی بسر کرتی تھی مگر بہت سے ناعاقبت اندیش مصنفوں نے اسپر طرح طرح کے الزام لگائے ہیں۔ عاقل خاں کے قصے بھی ہیں افترا پردازوں کے فرصت کے کارنامے ہیں۔ ورنہ ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اورنگزیب عالمگیر ایسا بادشاہ جلیل القدر۔ اور اُسکے زمانہ میں خود اُسی کی لڑکی کی نسبت ایسے لغو ہیں اُڑیں اور وہ خبر نہو۔ ان واقعات یا اسی قسم کے دوسرے من گڑھت افسانوں کو منکر وہی شخص یقین کر سکتا ہے جسے قدرت نے دل و دماغ دینے میں نہایت حقیاد اور بلکہ بخل سے کام لیا ہے۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ زیب النسا نے ایک مرتبہ یہ مصرع ناصر علی خاں کے پاس بھیجا۔ اور یہ صرف اسلئے کہ اسپر دوسرا مصرع لگایا جائے۔

از ہم نمی شود ز حلاوت جدا لبم

ناصر علی نے بیباکانہ جواب لکھ بھیجا کہ ؏ شاید رسید بر لب زیب النسا لبم

اوّل تو ہیبت شاہی کیونکر اس بات کی مقتضی ہوتی۔ دوسرے بھلا کہاں ناصر علی کا رنگ اور کہاں یہ ہزالانہ مصرع وہ اشعار جو اہل تذکرہ نے زیب النسا کے نام سے لکھے ہیں یہ ہیں۔

بشکند دستے کہ خم در گردن یارے نشد   کور بہ چشمے کہ لذت گیر دیدارے نشد

صد بہار آخر شد و ہر گل بفرقے جا گرفت　　غنچہ باغ دل ما زیب دستارے نشد

وہ ہاتھ جو کسی محبوب کی گردن میں خم ہو کر نہیں پڑا ہے ٹوٹ جائے تو اچھا ہے وہ آنکھ جسنے لذت دیدار نہیں حاصل کی۔ اگر اندھی ہو جائے تو بہتر ہے۔ (۲) سنو بہاریں آئیں اور ختم ہو گئیں ہر پھول کسی گوشہ دستار پر پہونچ گیا۔ مگر ہمارے دل کے باغ کا غنچہ کسی دستار تک نہ پہونچ سکا۔

اب چند شعر دیوان مخفی سے نقل کئے دیتا ہوں۔ اگرچہ جس دیوان سے میں نکال رہا ہوں وہ ایک نہایت قدیم نسخہ ہے اور میرے خیال میں کم سے کم دو سو ڈیڑھ سو برس کا لکھا ہوا ہے۔ مگر پھر بھی میں اسکو وہی متنازعہ فیہ کا درجہ دیتا ہوں۔

از ہوا خواہاے دل از بسکہ لذت یافتم　　پنبہ از ناخن نہم بر زخم داغ خویش را

قصد من بے نگاہی زمروت دور است　　کس گنہ گار نکردہ است تماشائی را

مخفی اگر نہ کافری در رہ عاشقی درآ　　از سر صدق سجدہ کن آن بت دلربائے را

کوئے عشق است نہ ناموس سلام است اینجا　　صد چو محمود بہر گوشہ غلام است اینجا

چو مجنوں از سر ہمت قدم ورواد ی دل نہ　　کہ بستم تا زہ مخفی با محبت عہد پیماں را

علاج تشنگیم کے شود کہ از بس عشق　　بود برابر یک قطرہ رود نیل مرا

فلک بہ بخت نہ یونم ہر آنچہ خواہی کن　　کہ چشم مہر و وفا نیست جز اصیل مرا

بسکہ لذت از داز درد جراحت می برم   سودۂ الماس خواہد سینۂ افگار ما

زینت - زیب النسا بیگم کی چھوٹی بہن کا نام تھا - یہ شہزادی بھی نہایت ذکی اور ذہین تھی - زینۃ المساجد جواب تک دہلی میں موجود ہے اسی کی بنوائی ہوئی ہے اُسی مسجد میں اسکی قبر ہے - کبھی کبھی شعر کہتی تھی یہ شعر اسی کا اُسکے مزار پر لکھا ہوا ہے -

مونس ما در لحد فضل خدا تنہا بس است   سایۂ از ابر رحمت قبر پوش ما بس است

ترجمہ - ہمارا مونس قبر میں صرف فضل خدا کافی ہے - ابر رحمت کا سایہ ہمارا قبر پوش بہت ہے -

ردیف سین

سلطان - خدیجہ بیگم نام تھا اور سلطان تخلص تھا علی قلی خاں والہ داغستانی کی چچا زاد بہن تھی - اپنے وقت کی مشہور معروف شاعرہ تھی چند شعر انتخاب کر کے درج کئے جاتے ہیں -

از رنج درون خستہ ام ہیچ مپرس   از حال دل شکستہ ام ہیچ مپرس
اندازۂ پرسش رفتہ ز یادم عمریست   اے دوست زبال بستہ ام ہیچ مپرس

ترجمہ میرے رنجیدہ دل کا حال کچھ مت پوچھ - میرے ٹوٹے ہوئے دل کا حال

کچھ مت پوچھ (۲) اُڑنے کا انداز ایک عمر سے میری یاد سے جاتا رہا۔ اے دوست میرے بندھے ہوئے بازوؤں کا کیا حال پوچھتا ہے۔

من سستئ عہد یار مے دانستم | بے مہری آں نگار مے دانستم
آخر بہ خزان ہجر خویشم بہ نشاند | من عادت نو بہار مے دانستم

ترجمہ۔ میں یار کی عہد کی سستی کو جانتا تھا۔ اُس کی بے محبتی مجھے معلوم تھی (۲) آخر اُس نے اپنے جدائی کی خزاں کے مجھے حوالہ کیا۔ میں تو پہلے ہی بہار کی عادت جانتا تھا۔

من ساقیم و شراب حاضر | اے عاشق خستہ آب حاضر
آب است شراب پیش لعلم | ہاں لعل من و شراب حاضر

ترجمہ۔ میں ساقی ہوں اور شراب حاضر ہے۔ اے عاشق خستہ پانی حاضر ہے شراب میرے سُرخ ہونٹوں کے سامنے پانی ہے۔ ہاں میرے ہونٹ اور شراب دونوں موجود ہیں ملا لے۔

با حُسن من آفتاب ہیچ است | اینک من و آفتاب حاضر
سلطان چو منے نبودہ در دہر | عالم عالم کتاب حاضر

ترجمہ۔ آفتاب میرے حُسن کے سامنے ہیچ ہے۔ دیکھ لو میں اور آفتاب

دونوں موجود ہیں (۲) سلطان دنیا میں میری طرح کوئی نہوگا۔ کہ جسکو علم کی اس قدر یادداشت ہو۔

سلیمہ تخلص تھا۔ سلیمہ بیگم زوجہ بیرم خاں خانخاناں کا۔ اگرچہ شاعرہ اپنے وقت کی نہایت مشہور خوشگو تھی مگر آج اسکا صرف ایک مطلع مل سکا۔

کاکلت را گر ز مستی رشتۂ جاں گفتہ ام ۔۔۔ مست بودم زیں سبب حرف پریشاں گفتہ ام

ترجمہ تیری کاکل کو اگر مستی کی حالت میں میں نے رشتۂ جاں کہدیا تو معاف کر میں مست تھا اسوجہ سے کچھ پریشان باتیں میرے منہ سے نکل گئیں۔

سیدہ بیگم۔ سید ناصر کی بیٹی جرجان کی رہنے والی تھی۔ اور خاقانی کی معاصر تھی۔ نہایت عمدہ شعر کہتی تھی۔

دلے دارم بہ پہلو بیقرار از ہجر یار خود ۔۔۔ چہ گریم پیش بیدرداں ز درد بیقرار خود

بدرد دل چناں گریم کہ چوں گردد دل خارا ۔۔۔ چو یاد آرم من سرگشتہ از یار و دیار خود

ازاں پیوستہ در عالم چنیں سرگشتہ میگردم ۔۔۔ کہ می بینم چو زلف او پریشاں روزگار خود

گلے از باغ وصل او نچیدم بر مراد خود ۔۔۔ چو غنچہ گرچہ خوں دیدم دل امیدوار خود

ز استغنا ندارد گوش یکبار آں جفا پیشہ ۔۔۔ اگر در پیش او صد بار گویم حال زار خود

بکار خویش حیرانم کہ از عشق بتاں ہرگز ۔۔۔ سر و ساماں نمی بینم من مسکیں بکار خود

ازیں سوزیکہ من دارم زعشق او پس مردن بخواہم سوخت آخر سیدہ لوح مزار خود

ترجمہ۔ میرے پہلو میں ایک دل ہے جو میرے معشوق کے چھلنے سے بیقرار ہوگیا ہے۔ بے دردوں کے سامنے اپنے بیقرار درد کا کیا اظہار کروں۔

(۲) دل کے درد سے میں ایسی روتی ہوں کہ پتھر کا دل خون ہو جاتا ہے۔ جب میں پریشان حال اپنے یار وو یار کو یاد کرتی ہوں۔

(۳) اس سبب سے دنیا میں ہمیشہ پریشان پھرتی ہوں۔ کہ اُسکی زلف کی طرح میں اپنا زمانہ پریشان دیکھتی ہوں۔

(۴) اُسکے وصل کے باغ سے ایک پھول بھی ملنے حسب مُراد نہ چن سکی۔ اگرچہ غنچہ کی طرح میرا امیدوار دل خون ہوگیا۔

(۵) وہ ظالم بے پروائی سے ایک مرتبہ بھی نہیں سنتا اگرچہ میں اُسکے سامنے سیکڑوں مرتبہ اپنا حال زار کہتی ہوں۔

(۶) میں اپنے کام میں حیران ہوں کہ بتوں کے عشق سے میں مسکین اپنا سر د سامان نہیں دیکھتی۔

(۷) یہ سوز جو مرنے کے بعد مجھے اُسکے عشق میں ہے اسی سے میں اپنی لوح مزار کو پھونکدوں گی۔

ردیف شین

شاہجہاں - شاہجہاں بیگم صاحبہ والیہ بھوپال کا تخلص ہے۔ اُردو میں شیریں تخلص فرماتی ہیں اور فارسی میں شاہجہاں آپ کی مفصل سوانح عمری اُردو کے ذکر میں لکھی گئی ہے۔ یہاں صرف انتخاب کلام پر اکتفا کیجاتی ہو۔

تا چراغ عقل در فانوس دل افروختم ۔۔۔ عجب و نخوت جملہ اسباب جہالت سوختم

چوں بال و پر افشاند و چوں دام ببرد ۔۔۔ صید یکہ ز صیاد بریدن نتوانند

چو ز عہد او بہ پرسم چہ بلا جواب گوید ۔۔۔ کہ ہزار جا بہ بستم بہزار جا شکستم

افتادہ بخاکم گزر آں سرو رواں را ۔۔۔ من مردہ خوشم زیست مبارک دگراں را

ہر کہ بنشست دریں راہ نہ آساں برخاست ۔۔۔ در رہ یار نشستیم کہ نتواں برخاست

تا ز حسنم من لبے نہ کشاید بہ آرزو ۔۔۔ کس پیش بندہ نام نمکداں نمی برد

گرچہ ایں نغمہ آزادی تو نیز خوش است ۔۔۔ لیک خوشتر بود آہنگ اسیری بلبل

خدا ے طالع خویشم شبے در انجمنش ۔۔۔ کہ مست بود ہم و از مستیم سخن میرفت

بلا ست ہمت عاشق کہ کوہ می لرزید ۔۔۔ دراں زماں کہ بکف تیشہ کوہکن میرفت

چوں کمال ہنر عشق معلم آموخت ۔۔۔ قیس از مکتب لیلیٰ ز دبستاں برخاست

برخیزم و نگاہ بہر چار سو کنم   باشد کہ رفتہ رفتہ ترا آرزو کنم
این حسبت و خیز ساغر کم ظرف تنگ ماست   مستی اگر کنم بہ نشکوہ سبو کنم
مرغوب طبع تفرقۂ خویش از شت نیست   من بعد بد نمایم و دانم نکو کنم
بیدل مباش شاہجہان این محبت است   صد بار زندہ گردم و مرگ آرزو کنم
تا بگذرند از بت بے اختیار ما   مستانہ قتل عام کنند ہوشیار ما

ترجمہ۔ (۱) جب سے عقل کا چراغ ہم نے دل کے فانوس میں جلایا ہے تکبر اور نخوت غرضکہ تمام اسباب جہالت جلا دیا۔ (۲) کیونکر اڑنے کی کوشش کرے اور کیونکر جال کاٹے۔ وہ شکار کہ صیاد سے علیحدہ ہونا نہیں چاہتا (۳) جب میں اسکے عہد کا ذکر کرتا ہوں تو کسقدر بیباکی سے جواب دیتا ہے کہ ایسا عہد ہزار جگہ باندھا ہے اور ہزار جگہ توڑا ہے (۴) میری خاک پردہ گزر رہا ہو میں مردہ اچھا ہوں زندگی دوسروں کو مبارک ہو (۵) جو کوئی اس راہ میں بیٹھا آسانی سے نہیں اٹھا۔ یار کی راہ میں میں ایسا بیٹھا ہوں کہ اٹھ نہیں سکتا (۶) جب تک میرا زخم آرزو کے ساتھ لب نہیں کھولتا میرے سامنے کوئی نمکدان کا نام نہیں لیتا (۷) اگرچہ تیرا یہ آزادی کا نغمہ بھی اے بلبل اچھا ہے۔ مگر اسیری کی آواز اے بلبل اُس سے بھی اچھی ہے (۸) میں اپنے نصیبے کے قربان کہ ایک رات محفل دوست میں

میں مست تھا۔ اور میری مستی کی باتیں ہوتی تھیں۔ (۹) عاشق کی ہمت بھی ایک بلا ہے پہاڑ اُسوقت لرز رہا تھا جب فرہاد ہاتھ میں تیشہ لئے جا رہا تھا (۱۰) جب معلم نے عشق کا ہنر اچھی طرح سکھا دیا قیس اور لیلی مکتب سے اُٹھ گئے (۱۱) میں اٹھتا ہوں اور چار طرف نگاہ کرتا ہوں۔ شاید کہ رفتہ رفتہ تجھے سامنے دیکھ سکوں (۱۲) مجھے اچھے بُرے کا تفرقہ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ اسکے بعد میں ہی بُرا کروں گا اور اچھا سمجھوں گا (۱۳) اے شاہجہاں بیدل مست ہو یہ تو محبت ہے ہم سو بار زندہ ہوں گے اور سو بار مرنیکی آرزو کریں گے (۱۴) اسلئے کہ ہمارے بے اختیار معشوق سے درگزر کریں۔ مستانہ قتل عام کرتا ہے ہمارا ہوشیار۔

شاہی گیلان کی رہنے والی فحش گو اور بیباک ہزال تھی۔ مگر نہایت طرار اور چرب زبان تھی۔ ایک شخص کی ہجو میں یہ رباعی کہی تھی۔ جو اُس کی بیباکی کا نمونہ ہے۔

تا چند لس خویش نہی بر نس من ۔۔۔ گیرے چو دوال دُنبی در پس من

گر قاعدہ گیر تو ایں خواہد شد ۔۔۔ ریس تو بجائے گیر بہ ریس من

شہر ہم۔ ایک طوائف تھی جو لکھنؤ کی رہنے والی تھی اس شاعر گرزمین نے اُسے اُردو کا کامل شاعر بنا دیا تھا۔ اور فارسی کے شعر بھی کبھی کبھی کہتی تھی۔ ایک شعر

موجود ہے لکھتا ہوں۔

قامتش سرو رخش گلفام است چشم بادام و دو زلفش دام است

ترجمہ۔ اسکا قد سرو کی طرح ہے اور اسکا رخسار پھول کی مانند ہے۔ آنکھ

بادام اور دونوں زلفیں جال ہیں۔

شیریں۔ رضیہ سلطان دختر شمس الدین التمش کا تخلص ہے جسنے چند روز

تخت دہلی پر حکمرانی کی۔ اسکا پورا نام سکہ پریوں مضروب تھا۔ سلطان اعظم رضیۃ الدنیا

والدین۔ رضیہ اپنے باپ کی نہایت پیاری بیٹی تھی سلطان شمس الدین التمش

اسکی محبت کو بیٹوں پر ترجیح دیتا تھا۔ اُسنے اُسکو مردانہ اور سپاہیانہ تعلیم دلائی تھی

اور جو ہنر مردوں کو سکھائے جاتے ہیں سب اسکو سکھائے تھے لکھنا پڑھنا

فن شمشیر زنی۔ شہسواری تیراندازی وغیرہ میں ماہر تھی۔ نہایت نازک اندام

اور حسین تھی۔ مروت اور خلق کوٹ کوٹ کر اسمیں بھرا تھا۔ مطالعہ کتب کی بیحد

شائق تھی۔ تمام درباری اسکی صفات کی وجہ سے اسکی عزت کرتے تھے اور اسکو

دل سے عزیز رکھتے تھے۔

التمش جب فوج لیکر جانب جنوب گیا تو اسکی غیبت میں چھ سال تک تمام سلطنت

کا بوجھ رضیہ نے اُٹھایا اور نہایت حسن وخوبی سے حکمرانی کرتی رہی۔ جب

شمس الدین التمش کا انتقال ہوا، تو اُسنے وصیّت کی کہ میرے بعد عنان سلطنت رضیہ کے ہاتھ میں رہے۔ مگر اسکی وصیت پر عمل نہ ہوا، اور اسکے بجائے رضیہ بھائی فیروز حکمراں ہوا۔ مگر اسکی بے انتظامی کی وجہ سے امرائے عہد نے چھ مہینہ بعد ہی اسکو تخت سے اُتار کر رضیہ کو سلطان بنایا۔ دو سال تک وہ نہایت ہی بیدار مغزی سے اُمور سلطنت انجام دیتی رہی۔ مگر جب اسکو یہ خیال ہوا کہ اُسے اب شادی کرنا چاہئے تو اسی نے ایک سردار یاقوت نامی سے شادی کرنا چاہی۔ اور اسی پر جھگڑے بڑھے یہاں تک کہ تمام سردار باغی ہوگئے۔ اور بالآخر اسکو اپنے ایک سردار التونیہ سے لڑنا پڑا۔ یاقوت جو اسکی معیّت میں تھا اس معرکہ میں مارا گیا۔ خود رضیہ التونیہ کے قبضہ میں گئی۔ اس سردار نے اسکا احترام کیا۔ اور بالآخر اس شرط پر اسکو رہا کر دیا کہ وہ اُسی سے شادی کریگی۔ انھیں قضیوں کے اثنا میں اور سرداروں نے اسکے بھائی کو تخت پر بٹھایا۔ التونیہ جو اب رضیہ کا شوہر تھا۔ اور خود رضیّہ نے اسکا انتقام لینا چاہا۔ مگر وہ دونوں خود اپنی رعایا یا اہالیان دربار کے ہاتھوں میں پڑے اور گرفتار ہوکر دونوں مارے گئے۔ رضیّہ کو شعر و شاعری کا ذوق تھا۔ معلوم ہوا ہے کہ وہ ترکی اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتی تھی۔ فارسی کے چند شعر یہ ہیں۔

نادیدہ رخش چو مردم چشم | کردیم درون دیدہ جایش
من نام ترا شنیدہ میدارم دوست | نادیدہ ترا چو دیدہ میدارم دوست
در دہان خود دارم عندلیب خوش الحان | پیش من سخن گویان زاغ در دہن دارند
غلطیدن نور رخ خورشید جز این چہ | بسمل شدہ تیغ نگاہ غضب ماست
از ماست کہ بر ماست چہ تقصیر دل زار | آن کشتہ انداز غم بے سبب ماست
کنم ببرکت پا تخت چرخ سلطانی | دہم ببال ہما خدمت مگس رانی
باز آ شیریں منہ در راہ الفت گام خویش | ہاں شنیدہ نہ شنیدہ ماشی قصہ فرہاد را

ترجمہ ۔ اسکا منھ دیکھے بغیر آنکھ کی تپلی کی طرح میں نے اسکو اپنی آنکھ میں جگہ دی ہے (۲) میں تیرا نام سنکر تجھے دوست رکھتی ہوں بغیر دیکھے ہوئے تجھے آنکھوں کی طرح عزیز جانتی ہوں ۔ (۳) میں اپنے منھ میں ایک بلبل خوش آواز رکھتی ہوں، میرے سامنے شاعر گویا کوے منھ میں لئے پھرتے ہیں ۔ (۴) سورج کے منھ کا نور اڑنا کسواسطے ہے سوا اسکے کہ ہماری نگاہ سے زخمی ہے (۵)، جو کچھ ہے وہ ہمیں نے خود پر ستم کیا ہے دل کا کیا قصور ہے ۔ وہ ہمارے غم بے سبب کے انداز کا مارا ہوا ہے (۶) میں پاؤں کی برکت سے چرخ کو تخت سلطانی بناؤں گی ۔ اور ہما کے بازوؤں کو مگس رانی کی خدمت دوں گی (۷) شیریں کہنا مال راہ الفت میں قدم نہ رکھ ہاں

شاید تو نے فرہاد کا قصہ نہیں سنا ہے۔

شیریں۔ ایک رقاصہ کا تخلص تھا۔ جو لکھنؤ بازار چوک میں رہتی تھی نہایت عمدہ شعر کہتی تھی اردو کا دیوان مطبوعہ ہے کچھ غزلیں فارسی بھی کہی تھیں چند شعر فارسی کے منتخب کر کے لکھے جاتے ہیں بعض بعض شعر نہایت عمدہ کہے ہیں۔

ز نیکاں مر مرا مشمار من آنم کہ من دانم ۔۔۔ طریق حسن ظن بگذار من آنم کہ من دانم

اسیر نفس غدارم گنہ گار و خطا کارم ۔۔۔ نیم کاذب بدیں گفتار من آنم کہ من دانم

رہ نخوت نمی پویم ہمی ہر بار میگویم ۔۔۔ خراب و زشت و بدکردار من آنم کہ من دانم

اگر خلقم کند تحسین نگردم شاد اے شیریں ۔۔۔ بہ خلوت خانہ از اغیار من آنم کہ من دانم

ترجمہ۔ مجھ کو نیکوں میں سے نہ گن میں وہ ہوں کہ میں ہی جانتی ہوں حسن ظن کا طریقہ چھوڑ دے میں وہ ہوں کہ میں ہی جانتی ہوں۔ (۲) میں نفس غدار کی قیدی ہوں گنہگار اور خطا وار ہوں۔ اس بات میں میں جھوٹی نہیں ہوں میں وہ ہوں کہ میں جانتی ہوں۔ (۳) نخوت کی راہ میں نہیں جاتی ہر مرتبہ میں یہی کہتی ہوں خراب بری اور بدعادتوں میں وہ ہوں کہ میں ہی جانتی ہوں (۴) اگر دنیا میری تعریف کرے تو اے شیریں میں خوش نہ ہونگی۔ خلوت خانہ میں غیروں کی میں وہ ہوں کہ میں ہی جانتی ہوں۔

ردیف صاد

صراحی - تخلص تھا۔ اور محترم النسا رخانم نام تھا۔ تیمان کی رہنے والی میر علی اکبر مشہدی کی لڑکی اور میر مرتضیٰ شاہ کی بیوی تھی۔ شعر بہت کم کہتی تھی۔ مگر کہتی تھی ایک شعر یادگار ہے۔

صراحی گر غمے داری ز بخت سرنگون خود قدح را ہمدم خود ساز و خالی کن درون خود

ترجمہ اے صراحی اگر تجھے اپنے سرنگوں نصیب سے کوئی غم ہے۔ تو قدح کو اپنا ہمدم بنا اور اپنا دل خالی کر۔

ردیف ضاد

ضعیفی آرزوی شاعرہ جسکا ذکر پہلے ہو چکا ہے اسکی معاصر تھی یہ اُسکی اور وہ اسکی غزل پہ غزل کہا کرتی تھی - یہ شاعرہ ظریفہ بھی تھی۔ اور کبھی کبھی اپنے شوہر سے نوک جھوک ہوا کرتی تھی۔ ایکدن کا ذکر ہے کہ ضعیفی اور اس کا شوہر بیٹھے ہوئے تھے ضعیفی نے یہ رباعی کہی اور شوہر کو سنائی۔

اے مرد ترا بہرہ م انگیزی نیست ہم پیرو ضعیفی و ترا چیزے نیست

باایں ہمہ میدہی نہیب زز دن　　　خود قوت آں ترا کہ برخیزی نیست

ترجمہ اے مردوئے تجھے میری محبت نہیں ہے۔ تو بڑھاپے ضعیف ہے اور تجھ سے کچھ ہو نہیں سکتا (۲) ان سب باتوں کے باوجود بھی تو مجھے مارنے سے ڈراتا رہتا ہے۔ حالانکہ تجھ میں اُٹھنے کی بھی طاقت نہیں ہے۔

بڈھا شوہر بھی شوخ مزاج تھا اُسنے فوراً جواب دیا۔

اے زن دگر آنکہ بامن آمیزی نیست　　　کار تو بغیر فتنہ انگیزی نیست

دارم ہمہ عیب را کہ گفتی با ما　　　عیبے بتر از بلاے بے چیزی نیست

ضیا۔ تخلص۔ سکندر جہاں بیگم نام۔ امیر علی جو ایک وقت میں ریاست جاورہ کے کوتوال تھے اُنکی لڑکی تھی اُردو میں اس شاعرہ کا ذکر گزر چکا ہے فارسی میں بھی یہ کبھی کبھی کچھ کہتی تھیں۔ دو شعر مل سکے حاضر ہیں۔

ہمہ تن پیکر شکرم بہ سپاس نعمت　　　للہ الحمد کہ شکر از من و احسان از وے

شدہ طبعم ز شمیم گل فیضش خوشبو　　　گل زمین دل من رشک گلستاں از وے

ترجمہ۔ میں تمام تر شکر کی تصویر ہوں نعمت کے شکریہ میں۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ احسان کرتا ہے اور میں شکر کرتی ہوں۔ میری طبیعت اُسکے فیض شمیم گل سے خوشبودار ہو گئی۔ اور میرے دل کی گلزمین اُس سے رشک گلستاں ہو گئی۔

ردیف عین

عائشہ، سمرقند کی ایک پردہ نشین عورت کا نام اور تخلّص تھا۔ اسکے کلام سے اسکی ذہانت کا پتہ چلتا ہے۔ مگر کلام صرف اسی قدر ملتا ہے۔ جو درج تذکرہ کیا جاتا ہے۔

آراستہ باغ و عندلیباں سرمست ۔۔۔ یاراں ہمہ از نشاط گل بادہ پرست
اسباب فراغت ہمہ در ہم زدہ (۱) ۔۔۔ بشتاب کہ جز تو ہر چہ بیبا پدہست
اے از تو وفا و مہربانی نایاب ۔۔۔ بے عیش تو لذت جوانی نایاب
وصل تو حیات جاودانی لیکن ۔۔۔ یا بندہ آب زندگانی نایاب

ترجمہ (۱) باغ آراستہ ہے اور بلبلیں مست ہیں۔ یار سب خوش ہیں گل اور بادہ کی پرستش کر رہے ہیں (۲) اسباب فراغت سب مہیّا ہیں تو دوڑ کر آ کہ بس تیری ہی کمی ہے۔

(۳) اے وہ شخص کہ تیری ذات میں وفا اور مہربانی نہیں ہے۔ بے تیرے عیش اور جوانی کی لذت نہیں ہی۔ تیرا وصل زندگانی جاوید ہے لیکن۔ جو شخص اس آب زندگانی کو پائے وہ نہیں ملتا۔

اشکے کہ زچشم من بروں غلطیداست | در گوش کشیدۂ کہ مرواریداست
از گوش بروں آر کہ بدنامی تست | کانرا برخ تمام عالم دیداست

با من چو شب وصل تو بکشاید راز | ناگاہ ہم از شام کند صبح آغاز
با ایں ہمہ گر عوض کنندم بدہم | کوتاہ شبے ازاں بصد عمر دراز

ترجمہ۔ وہ آنسو کہ میری آنکھوں سے نکلا ہے تو نے یہ سمجھ کر کہ موتی ہے کان میں ڈال لیا ہے (۲) کان سے اُسکو باہر نکال کیونکہ اُسمیں تیری بدنامی ہے کہ رخسارہ پر اُسکو سب نے دیکھا ہے۔ (۳) اگر تیری شب وصل میرے ساتھ ہمراز ہو جاوے تو یکایک شام ہی سے صبح ہونا شروع ہو جاوے (۴) باوجود اس سب خرابی کے اگر بدلہ میں سو عمر دراز مجھے دیں تو میں اُس کوتاہ شب کو اُس عمر دراز سے بدل نہیں سکتا۔

عصمت بیگم سیف الملک تورانی کی لڑکی تھی اور نہایت عمدہ شعر کہتی تھی یہ نمونۂ کلام اُسی کا ہے۔

چوں ابر بہار دمبدم گریانم | مانند فلک ہمیشہ سرگردانم
باہر کہ وفا کنم جفائے بینم | بر بخت خود وطالع خود حیرانم

تذکرہ مراۃ الخیال میں یہ شعر بھی اُسی کے نام سے لکھا ہے۔

از پا شکستگان طلب کعبہ مشکل است　　آں کعبہ کہ دست دہد کعبۂ دل است

ابر بہار کی طرح میں دمبدم روتی ہوں۔ اور آسمان کی طرح میں ہمیشہ سرگردان رہتی ہوں (۲) جسکے ساتھ میں وفا کرتی ہوں جفا اسکا نتیجہ پاتی ہوں۔ اپنی قسمت اور اپنے ستارہ پر سخت حیران ہوں (۳) جو لوگ پاؤں توڑکر طلب کرنے سے باز آگئے ہیں اُنکو کعبہ ڈھونڈھنا مشکل ہے۔ وہ کعبہ جو ملسکتا ہے وہ دل کا کعبہ ہے۔

عصمتی سمرقند کی ایک خوش فکر عورت تھی۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

تا فگندست مرا بخت بد از یار جدا　　غم جدا می کشدم چرخ ستمگار جدا

ترجمہ۔ جب سے مجھ کو بدنصیبی نے یار سے جدا کر دیا ہے۔ غم علیحدہ مجھکو مارے ڈالتا ہے اور آسمان علیحدہ۔

عفتی ملا آزری کی کنیز باتمیز تھی۔ اور ملائے موصوف کے فیض صحبت نے شاعر بھی بنا دیا تھا اسکا شعر یہ ہے

قامت سرو کہ در آب نمودار شدہ　　کرد دعوے بقد یار و نگونسار شدہ

ترجمہ۔ سرو کا قد کہ پانی میں ظاہر ہوا۔ اُسنے قد یار سے دعوے کیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ نگونسار ہوگیا۔

ردیف عین

غریب ۔ شیراز کی ایک خوشگو شاعرہ تھی ۔ جسکو کسی ضرورت سے ترک وطن کرنا پڑا ۔ اور عہد اکبر شاہ میں ہندوستان آئی ۔ صرف ایک شعر اسکا دستیاب ہوسکا ۔

خود بہ بودی یا کس دیگر بود   اینقدر دانم کہ دل در سینہ بود

ترجمہ ۔ تو لیگیا یا کوئی اور لیگیا ہیں تو یہ جانتا ہوں کہ میرے سینہ میں دل تھا

ردیف فا

فاطمہ بیگم ۔ خراسان کی ایک شاعرہ عفت مآب تھی جس کا نام اور تخلص ایک ہی تھا ۔ عمدہ شعر کہتی تھی لیکن اب ایک شعر بھی نہیں جو درج کروں

فصیحہ خانم ۔ پردہ نشینان ہرات میں سے ایک عفت مآب کا تخلص تھا ۔ شاہ عباس ماضی کے زمانہ کی شاعرہ ہے ۔ آخر میں حبیب اللہ ترک سے اسنے نکاح کر لیا تھا اور کافی سرمایہ پایا تھا ۔ اسکے بعد ہندوستان چلی آئی تھی اور یہیں انتقال کیا ۔ دو رباعیاں اسکی مل سکیں

دیگر نہ زغم نہ از جنوں خواہم خفت   نے از دل غم دیدہ بجنوں خواہم خفت

زنگونہ بہ بست نرگست خواب مرا   در گور نحیر تم کہ چوں خواہم خفت

ترجمہ ۔ اب دوبارہ میں غم اور نہ جنوں سے سوؤنگی ۔ نہ دل غمدیدہ سے خون میں سوؤنگی (۲) تیری آنکھوں نے اس طرح میری نیند اُڑادی ہے کہ مجھے تعجب ہے کہ قبر میں کیونکر سو سکونگی ۔

روزے کہ بخوان وصل مہماں گشتم   شرمندہ ز انتظار ہجراں گشتم
زاں چشمۂ حیواں کہ کشیدم آبے   از زندگی خویش پشیماں گشتم

ترجمہ ۔ جس روز کہ میں وصل کے خوان پر مہمان ہوئی ۔ جدائی کے انتظار سے شرمندہ ہوئی (۲) اُس چشمۂ حیوان سے کہ میں نے پانی پیا ۔ اپنی زندگی سے پشیمان ہوئی ۔

فنا النسا بیگم ۔ ایک شاعرہ عہد جہانگیر میں تھی ۔ نہایت نازک مزاج عالی دماغ تھی ۔

ہنگام سحر دلبر من جلوہ گر آمد   صد فتنۂ خوابیدہ محشر بسر آمد
مکن تکرار اے دل ہر نفس درس محبت را   مدہ در ہر دو عالم نشۂ صہبائے حیرت را
من از فراق تو الماس غم بدل خوردم   تو دل شکستی و سوگند وصل ما خوردی

ترجمہ صبح کے وقت میرا معشوق جلوہ گر ہوا ۔ سو فتنہ محشر جو سو رہے تھے

جاگ اُٹھے (۲) اے دل ہر وقت محبت کے سبق کو مت دُہرا۔ دونوں جہاں میں نشہ صہبائے حیرت ست ہے (۳) تیری جدائی سے غم کا الماس ہیرے دل میں چبھا تو نے دل توڑا اور ہمارے وصل کی قسم کھائی۔

ردیف قاف

قرۃ العین۔ زرین تاج ام سلمہ خلیفہ۔ بعض نے اسکو اس مذہب بابی کا مخترع لکھا ہے۔ جو ایران میں رائج ہوا۔ یہ مرزا محمد صالح مجتہد ایران کی لڑکی تھی۔ نہایت فاضلہ اور علوم میں کاملہ تھی۔ مگر جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مذہب بابی کی مخترع یہی تھی۔ غلط ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے۔ کہ ایک شخص باب جسکا اصلی نام علی محمد تھا۔ یہ ایران کے ایک مشہور تاجر محمد رضا کا بیٹا تھا۔ اسنے پہلے فارسی پڑھی پھر عربی کی معمولی تکمیل کی پھر سید محمد کاظم کربلائی کے حلقۂ درس میں شریک ہوا۔ جب اُستاد کا انتقال ہو گیا تو اسکے بہت سے شاگرد ہو گئے۔ یہ اپنے شاگردوں کو ساتھ لیکر کوفہ کی مسجد میں پہونچا اور ریاضات شاقہ کرنے لگا سنہ ۱۲۶۰ھ میں اُسنے اپنے عقیدتمندوں کو یقین دلایا کہ دراصل وہ مہدی جسکا انتظار ہے وہ میں ہی ہوں۔ اور

اور اسکے ثبوت میں بہت سی احادیث بھی پیش کیں۔ اس بات پر اس سے
معجزہ طلب کیا گیا تو اُسنے کہا کہ میری تحریر و تقریر ہی کو معجزہ سمجھو۔ میں
اس سے بہتر کوئی معجزہ پیش نہیں کر سکتا کہ ایک دن میں ہزار شعر مناجات
کے تصنیف کرتا ہوں۔ اور چند مناجاتیں پیش کیں جنکے اعراب بھی درست
نہ تھے۔ لوگوں نے اعتراض کیا تو اُسنے جواب دیا کہ دراصل قصہ یہ ہے
کہ علم نحو اب تک غضب الٰہی میں گرفتار تھا۔ اب تک اُس میں غلطی ہونا
ناجائز تھا۔ اب میں نے خدا سے اسکی سفارش کر دی ہے اور اسکے اوپر
سے اللہ نے وہ سختیاں اُٹھا دی ہیں۔ اب یہ قیود اسپر عارض نہیں ہیں
پھر اُسنے اعلان کیا کہ میری وجود سے غرض یہ ہے کہ تمام ادیان متحد ہو جائیں
جسکے لئے میں آئندہ سال مکہ معظمہ سے شمشیر بکف خروج کرونگا اور تمام روئے زمین پر قبضہ
کرونگا لہذا جبتک کہ تمام ادیان متحد نہوں اور تمام لوگ میرے مطیع نہو جائیں تمام
تکالیف شرعیہ میرے پیروں کیلئے معاف ہیں۔ اس لالچ میں بہت سے لوگ اسکے
مطیع ہو گئے۔ اسکے مذہب میں حقیقی بہن سے مبتلا ہونا بھی زنا نہیں تھا۔
ایک عورت کا نو آدمیوں کو نکاح میں لانا جائز تھا۔ اسی قسم کے بہت سے
احکام مُریدوں کو دئے جن کو طویل ہونے کی وجہ سے نظر انداز کیا جاتا ہے

سلام علیک کے بجائے مرحبا یک سلام۔ رائج کیا (۲) اذان میں اپنا نام داخل کرنا چاہا (۳) اسکا یہ قول بھی تھا کہ رسول اللہؐ اور حضرت علیؓ نے مجھسے بیعت کی (۴) جسطرح بغیر باب کے مکان میں داخل نہیں ہو سکتا اسی طرح بغیر میرے دیکھے اور متابعت کئے دین خدا تک کوئی نہیں پہونچ سکتا۔

مریدین نے اس قول کو سنکر اس کا لقب باب مقرر کردیا۔ اور مذہب بابی کی بنا پڑی۔ اسنے اپنے چند مریدین کو منادی کے طریقہ پر شیراز بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو باب کے مہدی موعود ہونے کا یقین دلائیں۔ اور جو لوگ اسکے مہدی موعود ہونے کی تصدیق کریں انسے بیعت لیں۔ اپنا تصنیف کیا ہوا کلام بھی جسمیں کسی کا نام مناجات۔ اور کسی کا قرآن تھا۔ ان کو دیا تاکہ لوگوں کو سنائیں۔ اور وہ بجائے قرآن مجید اور صحیفۂ سجادیہ کے پڑھا کریں۔

اسکے بعد اسکا خلیفہ ملا حسین بشرویہ ہوا۔ اور قرۃ العین جسکا یہ ذکر ہے اسکی نائب بنی۔ یہ نہایت حسین اور صاحب جمال بھی تھی۔ عربی میں ایسی قابل تھی کہ کچھ عبارتیں لکھکر اس دعوے کے ساتھ پیش کیں کہ یہ کلام الٰہی کا جواب ہے اور اسنے ہر طریقہ سے اشاعت مذہب باب شروع کی ہر فرقہ کے لوگ اسکے حسن و جمال کے لالچ سے اس مذہب میں داخل

ہو گئے۔ جب سلطنت کو اسکے متعلق اطلاع ہوئی تو اُنھوں نے ہر طریقہ
سے اسکی روک تھام کی اسکے بانیوں کو شدید سزائیں دیں۔ اور اُنھیں
میں قرۃ العین بھی تھی جسکو جلاکر مار ڈالا گیا۔

یہ ایک زبردست شاعرہ تھی اسکا دیوان مکمل مطبوع ہوا لیکن اب
نایاب ہے۔ چند شعر جو مجھے مل سکے درج کرتا ہوں۔ عربی اور فارسی
دونوں زبانوں میں شعر کہتی تھی۔ اور خوب کہتی تھی۔ اسکے دیوان کا
شروع یہ ہے۔

لمعات وجہک اشرقت بشعاع طلعتک اعتلا   زچہ رو الست بربکم نزنی بزن کہ بلی بلی

بجواب طبل الست تو ز ولے کہ کوس بلی زند   ہمہ خیمہ زد بدر دلم سپہ غم و حشم بلا

چہ شود کہ حیرت آتشے بزنم بہ قبلۂ طور دل   فسکستہ و دگستہ مندکہ کاستہ لزلا

من و مہر آں سہ خوبرو کہ زدہ صلائے بلا برد   بہ نشاط قہقہہ سد مرو کہ انا الشہید بکربلا

چو شنید نالۂ مرگ من پے ساز من شد و گرگ من   فمشی الی مہرولا و بکی علی مجلجلا

تو کہ فلس ماہی حیرتی چہ زنی بہ بحر وجود دم   بہ نشیں چہ طوطی دم بدم بشنو خروش نہنگ لا

جذبات شوقک الجمت بسلاسل غمۃ والبلا   ہمہ عاشقان شکستہ دل کہ دہند جاں برہ بلا،

اگر آن صنم ز ره ستم پی کشتن من بیگنه — لقد استقام بسیفه فلقد رضیت بما رضا

سحر آن نگار ستمگرم قدمی نهاده به بسترم — واذا رأیت جماله طلع الصباح کأنما

تو که غافل از می شاهدی پی مرد زاهد عابدی — چه کنم که کافر جاحدی ز خلوص نیت اصفیا

تو بملک و جاه سکندری من و رسم و راه قلندری — اگر آن خوش است تو درخوری و گر این بد است مرا سزا

بگذر ز منزل ما و من بگزین بملک فنا وطن — فاذا فعلت بمثل ما فلقد بلغت بما تشا

ز چه لف غالیه بار او ز چه چشم فتنه شعار او — شده نافه بهمه ختن شده کافری بهمه خطا

پی خوان نعمت عشق او همه شب ز خیل کروبیان — رسد این صفیر مهیمنی که گروه غمزده الصلا

هله ای گروه امامیان بکشید ولوله زمیان — که ظهور دلبر ما عیان شده فاش و ظاهر و برملا

اگرتان بود طمع لقا و رتان بود هوس لقا — ز وجود مطلق مطلقا بر آن صنم کشوید لا

لمعاتها قدس بشارتی که ظهور حق شده برملا — بزن ای صبا تو بمحضرش که بکرده زنده دلان صلا

هله ای طوائف منتظر ز عنایت شه مقتدر — مه منتخر شده مشتهر ببهائها متجللا

شده طلعت صمدی عیان که بپا کند علم بیان — که ز وهم های جهانیان جبروت قدس اعتلا

بتموج آمده این یمی که بکربلاش بنجر همی — متظهر است بهر دمی دو هزار وادی کربلا

صمدم ز عالم سرمدم احدم ز منبع لا احدم — بپی اهل افسرده آمدم وهم الی لمقبلا

منم آن ظهور مهیمنی منم آن بلیت بهمینی — منم آن سفینه المینی ولقد ظهرت وقد علا

ہلہ اے گروہ عمائیاں زرنید بلہلہ لا	کہ جمال دلبرمائیاں شدہ فاش فطاشہر بلا
زرنید نغمہ بہرطرف کہ زوجہ طلعت عارف	دفع القناع وقد کشف ظلم اللیال قد انجلا
طیر العماء تکلفت دیک الثناء تصفصفت	ورق البہاء تدفدفت رکز والیہ مہرولا
دو ہزار احمد مصطفٰی زبرق آتش باصفا	شدہ مختفی شدہ درخفا متزملا متدثرا
کسے از نکرو اہا عتش نگرفت حبل وانتہش	کنہ ش بعید زساحتش دہش نہ قہر بہا بلا

یہ ہیں اس آزاد بیباک شاعرہ کے خیالات جو اس قصیدہ میں ظاہر ہیں میں بوجہ طول کے اس قصیدہ کے ترجمہ سے گریز کرتا ہوں۔ اور نہ کچھ اچھا جانتا ہوں کہ ترجمہ کیا جائے۔

ردیف کاف

کاملہ بیگم۔ دلی کی رہنے والی عہد اکبر شاہ کی ایک شاعرہ تھی۔ شاید شیخ فیضی وغیرہ سے کوئی تعلق رکھتی تھی۔ چنانچہ شیخ فیضی کے مرنے پر ایک رباعی دردناک لکھی ہے۔

فیضی مخور این غم کہ دلت تنگی کرد	یا پاے امید عمر تو لنگی کرد

میخواست کہ مرغ روح بیند رخ دوست   زیں واسطہ از قفس شب آشفتگی گرد

ترجمہ۔ فیضی غم نہ کھا اگر تو دل تنگ ہے۔ یا تیری اُمید کے بازوں میں دم نہیں ہے۔ مرغ روح یہ چاہتا تھا کہ رُخ دوست دیکھے۔ اسواسطے قفس سے راتوں رات اُڑ گیا۔

میرا ذاتی خیال ہے کہ شاید یہ مصنف اختر تاباں کی غلطی ہے۔ عجب نہیں اگر یہ رُباعی فیضی ہی کی ہو۔

کنیز فاطمہ۔ شاہ سلیمان کابلی کی والدہ تھی ایک شعر اُسکا ہے۔

سزد کہ فخر بر آسمان بہ دو رانم   کنیز فاطمہؓ و مادر سلیمانم

ترجمہ۔ آسمان اگر میرے زمانہ میں فخر کرے تو بجا ہے۔ میں فاطمہ کی کنیز اور سلیمان کی ماں ہوں۔

کوکب۔ ستارہ بانو نام۔ شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی علیہ الرحمۃ کی دختر نیک اختر کا تخلص ہے۔ نہایت تیز طبع ذہین اور عمدہ شاعرہ تھیں سنا ہے کہ ایک مرتبہ کوئی شخص شیخ سے ملنے گیا۔ شیخ تشریف فرما نہ تھے اس شخص نے آواز دی جواب ملا کہ وہ نہیں ہیں۔ چونکہ مکان بالکل معمولی حیثیت کا تھا۔ اس شخص نے یہ لکھ کر بھیجدیا۔

سعدیا شیراز یا نامت بس است　　　چوں بدیدم خانہ از خار و خس است

ستارہ بانو نے جواب میں شعر کہہ کر بھیجدیا۔

ہمرہاں رفتند و ما ہم میرویم　　　از برائے چند روزہ ایں بس است

یہ شعر ستارہ بانو سے منسوب کیا جاتا ہے۔

عشق بازاں رو بسوئے قبلۂ آں کوکنید　　　ہر کجا محراب ابروئیش نماید رو کنید

ترجمہ۔ اے عشق بازو اس گلی کے قبلہ کی طرف منہ کرو۔ جہاں اُسکے محراب ابرو کو دیکھو اسی طرف رُخ کرو۔

ردیف کاف فارسی

گلبدن بیگم۔ بادشاہ ظہیر الدین بابر کی صاحبزادی تھیں۔ علوم رسمیہ سے نہایت اچھی طرح آگاہ تھیں۔ کبھی کبھی تفنن طبع کے لیے شعر بھی کہتی تھی معلوم نہیں کیا کیا کہا ہوگا۔ میرے تذکرہ کے حصّہ میں ایک شعر آیا ہے۔

ہر پری روئے کہ او با عاشق خود یار نیست　　　تو یقیں میداں کہ ہیچ از عمر برخوردار نیست

ترجمہ۔ جو پری رو کہ اپنے عاشق کا یار نہیں ہے یقیں جانیے کہ وہ اپنی عمر سے برخوردار نہیں ہوگا۔

گلچہرہ بیگم ۔ شاہنشاہ بابر کی دوسری لڑکی کا نام ہے ۔ باپ اور بڑی بہن کی طرح اسکا بھی کلام ضایع ہوگیا

ہیچ گہ آن شوخ گلرخسار بی اغیار نیست
راست بودست آنکہ در عالم گلے بی خار نیست

ترجمہ ۔ کسی وقت وہ شوخ اغیار کے بغیر نہیں رہتا ۔ سچ کہا ہے کہ دنیا میں پھول کانٹے کے بغیر نہیں ملتا ۔

گنّا بیگم ۔ علی قلی خاں والہ داغستانی کی صبیّہ اور نواب اعتماد الدولہ دہلوی کی بیوی تھی ۔ موزوں طبع خوش فکر شاعرہ تھی اور اسقدر نازک تھی کہ نو برس کی لڑکی معلوم ہوتی تھی ۔ نو سو روپیہ کی برابر وزن تھا ۔ یہ دو شعر اُسی کے ہیں ۔

تا کشیدی از نزاکت سرمۂ دنبالہ دار
شد عصائے آبنوسی چشم بیمار ترا

جگر پر سوز و دل پر خون گریباں چاک و جاں برلب
قضا را شرم می آید ز سامانیکہ من دارم

ترجمہ ۔ جب سے تو نے نزاکت کے ساتھ سرمۂ دنبالہ دار لگایا ہے ، تو وہ تیری آنکھ کے واسطے عصائے آبنوسی بنگئی ہے (۲) جگر میں سوز دل میں خوں گریباں پھٹا ہوا جان ہونٹوں پر ۔ قضا کو اس سامان سے شرم آتی ہے جو میرے پاس ہے

گلشن - ایک شاعرہ دہلی کی رہنے والی تھی جو زمانہ صاحبقران شاہجہاں بادشاہ دہلی کے عہد میں زندہ تھی اب کلام نہیں ملتا - صرف چار پانچ شعر ملتے

بخیال قد رعنائے تو اے غیرت گل ۔۔۔ سرو آہ است کہ از سینۂ گلشن خاست

گلشن ز جلوۂ تو پری خانہ گشتہ است ۔۔۔ بوی گل از ہوائے تو دیوانہ گشتہ است

بے رخت خار نماید بہ چمن گل ما را ۔۔۔ نالۂ زاغ بود نغمۂ بلبل ما را

در جہاں ہمچو چنارم کہ بادست تہی ۔۔۔ ہرگز از جا نہ رود پائے توکل ما را

دُر شود قطرہ چو افتادہ ز ابر نیساں ۔۔۔ رہنما سوئے ترقی است تنزل ما را

ترجمہ - اے غیرت گل تیرے قد رعنا کے خیال میں سرو ایک آہ ہے کہ باغ کے سینہ سے نکلی ہے (۲) باغ تیرے جلوہ سے پری خانہ ہو گیا ہے - پھول کی بو تیری ہوا میں دیوانہ ہو گئی ہے (۳) تیرے رخسار کے بغیر باغ میں گل ہم کو کانٹا معلوم ہوتا ہے - نغمۂ بلبل نالۂ زاغ معلوم ہوتا ہے (۴) ہم دنیا میں چنار کی مانند ہیں کہ خالی ہاتھ ہیں مگر پائے توکل نہیں ڈگاتا - (۵) قطرہ جب ابر نیساں سے گرتا ہے تو موتی ہو جاتا ہے - تنزل ہم کو ترقی کا رستہ بتاتا ہے -

لالہ خاتون ۔ مردانہ صفت عورت تھی جو ایک وقت میں خراسان کی حاکم تھی ۔ اور نہایت عدل و داد کے ساتھ انتظام حکومت کرتی تھی ۔ خود علوم میں کامل تھی اسی وجہ سے اہل کمال کی بھی قدردان رہتی تھی ۔ اور سلوک کرتی رہتی تھی اب اسکا ایک شعر مل سکا ہے ۔

دوست جائے دیگر و من ماندہ ام در کوئے دوست
از در و دیوار کوئے دوست آید بوئے دوست

دوست دوسری جگہ ہے اور میں دوست کی گلی میں رہ گیا ہوں ۔ دوست کی گلی کے در و دیوار سے بوئے دوست آتی ہے

ردیف میم

ماہ ۔ ایک منجمہ کا تخلص ہے ۔ یہ شاعرہ جام کی رہنے والی اور ملا جامی کی معاصر تھی ۔ یوں تو اسکی شعر و شاعری مشہور تھی ۔ مگر آج صرف ایک یہ شعر ملتا ہے جو اُسنے اپنے شوہر کے مرثیہ میں کہا تھا ۔

کوکب بختم کہ بود از وے منور آسماں
بنگر اے مہ کز فراقت در زمیں اینساں

ترجمہ ۔ میری قسمت کا ستارہ کہ اُس سے آسمان روشن تھا ۔ اے میرے

چاند دیکھ کر تیری جدائی سے اسوقت وہ زمین میں نظر آتا ہے

ماہ لقا۔ اس شاعرہ کا اصلی نام چندا پری تھا۔ حیدر آباد کی رہنے والی تھی گانے بجانے والی عورت تھی۔ نواب نظام علی خاں خلف نواب نظام الملک آصفجاہ کی نوکر تھی۔ بہت مالدار تھی جب انتقال ہوا تو اتنا مال اسباب چھوڑا کر ایک معقول رقم اسکی نوچیوں پر تقسیم ہوئی۔ اہل قلم اور اہل سیف دونوں فرقوں کی قدردان تھی اور انکے ساتھ ہمیشہ حسن سلوک سے پیش آتی تھی۔ مردانہ بھیس بدلکر گھوڑے پر سوار ہوتی تھی۔ اور سیر کرتی تھی۔

ماہ لقا نے اپنا روپیہ بہت سے نیک کاموں میں صرف کیا چنانچہ اپنی زندگی میں ایک مسجد بنوائی تھی۔ ایک اسکی تاریخ کے لئے فرمائش کی شوخ طبع شاعر نے یہ بے مثل اور لاجواب تاریخ کہی۔

چو محرابش سجود خاص و عام است فلک گفتا کہ ایں بیت الحرام است

شیر محمد خاں ایمان سے صلاح لیتی تھی۔ نہایت پرگو تھی۔ پورا دیوان جمع کر لیا تھا۔ مگر وہ دیوان ۱۷۹۹ء میں خود ہی جنرل مالکم کو بطور تحفہ دیدیا تھا جو سنا ہے کہ اب بھی یورپ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ اسکا مقبرہ حیدرآباد میں مشہور و معروف ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے۔

بروز حشر الٰہی چو نامہ عمل   کنند باز کہ آں روز باز خواہ منست

بکن مقابلہ آنرا بسر نوشت ازل   کمی و بیشی اگر باشد آں گناہ منست

ترجمہ۔ یا اللہ باز خواہ یعنی قیامت کے دن جب میرا نامۂ اعمال کھولیں تو اُسکو میرے سرنوشت ازل سے مقابلہ کر لینا اگر اُس سرنوشت میں کوئی کمی بیشی کی ہو تو میں گناہ گار

گرانی میکند بار تبسم لعل جاناں را   کہ آں لب از نزاکت برندارد سُرخی پاں را

ترجمہ۔ تبسم کا بوجھ میرے معشوق کے لب پر گرانی کرتا ہے۔ کیونکہ وہ لب نزاکت کیوجہ سے سُرخی پان کا بھی متحمل نہیں ہے۔

ماہی۔ مُلّا نشاری کی بہن تھی۔ جلالر کی رہنے والی تھی۔ نظم و نثر میں ماہر تھی۔ نمونۂ کلام۔

اشکے کہ سر ز گوشۂ چشمم بروں کند   بر روئے من نشیند و دعوائے خوں کند

ترجمہ۔ جو آنسو میری آنکھ سے نکلتا ہے مُنھ پر بیٹھ کر خون کا دعویٰ کرتا ہے

محوی۔ ایک عورت قم کی رہنے والی تھی۔ جو کبھی کبھی شعر کہتی تھی عروبی میں بھی اسکا کلام ہے۔

آبرو در نزد من بہتر ز آب زندگی است   چشمۂ حیوان چشم آفتاب افتادہ است

اُم شریف ... بنت ... ۱۱۱۲ ... [illegible]

ترجمہ۔ آبروئے یزد یک آب زندگی سے بہتر ہے۔ چشمۂ حیوان آفتاب کی نظروں سے گر گیا ہے۔

می نماید عکس مہ در آب با صد پیچ و تاب زاں گل عارض مگر بند نقاب اُفتادہ است

ترجمہ چاند کا عکس پانی میں پیچ و تاب کھاتا دکھائی دیتا ہے۔ اُس گل عارض سے شاید بند نقاب کھل گیا ہے۔

نیست ایں خال سیہ بر ابروئے خوشت نقطہ از کلک قضا در انتخاب افتادہ است

ترجمہ۔ تیری خوبصورت ابرو پر یہ سیاہ خال نہیں ہے۔ بلکہ قلم قضا سے یہ نقطہ انتخاب کے وقت گر گیا ہے۔

مخدومہ۔ یزد کی رہنے والی ایک شاعرہ تھی۔ کبھی کبھی شعر کہتی تھی یہ اسکا کلام ہے۔

شب عربدہ با محنت ہجراں کردم با او دل و جاں دست و گریباں کردم
چوں دیدم از و رہے خلاصی مشکل جاں دادم و کار بر خود آساں کردم

ترجمہ۔ رات میں نے جُدائی کی محنت سے مقابلہ کیا۔ اور دل و جان سے اسکے ساتھ دست و گریبان رہی (۲) جب میں نے اُسکے پنجہ سے چھوٹنے کی صورت نہ دیکھی۔ مجبوراً جان دیکر اپنا پیچھا چھڑایا۔

مستورہ کردستان کی رہنے والی ابوالحسن بیگ کی صبیّہ اور خسرو خاں کی منکوحہ تھی۔ نہایت نازک مزاج خوبرو خوشخو اور سلیقہ شعار عورت تھی۔ ماہ شرف اسکا نام تھا۔ شعر و شاعری سے فطری دلچسپی تھی تھی اور نہایت عمدہ شعر کہتی تھی۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

می سوزم و می نالم پیوستہ بہجرانت ۔۔۔ رحمے بدل و جانم دست من و دامانت
دل خستہ و محزونم از نرگس بیمارت ۔۔۔ سرگشتہ و مجنونم از زلف پریشانت
دہن و لعل لب و دیدہ و گیسوئے توام ۔۔۔ از نبات و شکر و نرگس و سنبل خوشتر
گوش بر موعظۂ بیہدۂ شیخ مدار ۔۔۔ زین ہمہ قول و فسون ساغری از مل خوشتر
نہ تنہا من بدام زلف مشکینش گرفتارم ۔۔۔ ہزاران عاشق سرگشتہ دارد جعد طرارش
فشاند جان شیرین در رہش از شوق مستورہ ۔۔۔ دہد از مہر گر خسرو بہ بزم خویشتن بارش
گرم خسرو چو شیرین از وفا پابست ننمودے ۔۔۔ بعالم خویش را رسوا تر از فرہاد میکردم
ہر کس بہ دلارامے دارد سر و سودائی ۔۔۔ تو شوخ پری پیکر آرام دل مائی
عالم ہمہ گردیدم آفاق نوردیدم ۔۔۔ در کشور نیکوئی بنود چو تو زیبائی

ترجمہ - میں ہمیشہ تیری جدائی میں جلتا ہوں۔ اور روتا ہوں۔ خدا کے لئے میرے دل و جان پر رحم کر (۲) میں رنجیدہ اور دلخستہ ہو رہا ہوں تیری

جدائی میں تیری زلف پریشاں سے سرگشتہ اور مجنوں بنا ہوا ہوں (۳) تیرا منھ ہونٹ۔ آنکھیں زلف مجھے مصری شکر نرگس اور سنبل سے اچھی معلوم ہوتی ہیں (۴) واعظ کے بیہودہ اقوال کیطرف توجہ مت کر۔ ان تمام قولوں اور منتروں سے ایک شراب کا بھرا ہوا پیالہ اچھا ہوتا ہے (۵) ایک اکیلا میں ہی اُسکی زلف مشکیں کے جال میں پھنسا ہوا نہیں ہوں۔ ہزاروں عاشق سرگشتہ ایسے ایسے اسکی زلفوں میں گرفتار ہیں (۶) مستورہ شوق سے اپنی جان شیریں قربان کرے۔ اگر محبت سے خسرو اپنی بزم میں بلا لے (۷) اگر بادشاہ مجھکو شیریں کی طرح محبت کا پابند نہ کردیتا تو میں اپنے آپ کو نہ میں فرہاد سے زیادہ بدنام کرتی (۸) ہر کوئی کسی معشوق سے دلچسپی اور عشق رکھتا ہے اے شوخ پری پیکر تو ہمارے دل کا آرام ہے (۹) میں تمام زمانہ میں پھرا مگر حُسن کی ولایت میں تجھسا کوئی نہ پایا۔

مشتری۔ زہرہ طوائف لکھنؤ کی بہن تھی۔ یہ بھی آغا علی شمس سے اصلاح لیتی تھی۔ اب دو شعر اُسکے تذکروں میں پائے جاتے ہیں ورنہ یہ اُردو فارسی دونوں زبانوں کی شاعرہ کاملہ تھی۔

بسکہ در اطراف عالم رفت نام مشتری ارمغاں گشتند جوگی ہمچو راجہ بھرتری

باگلبدنے لالہ عذارست دل ما آئینۂ درو ست بہارست دل ما

ترجمہ۔ چونکہ اطراف عالم میں مشتری کا نام ہوگیا ہے۔ تو اُسکے لئے راجہ جوگی ہوگئے ہیں جیسے راجہ بھرتری جوگی ہوگیا تھا (۲) ہمارا دل ایک گلبدن لالہ عذار کے پاس ہے بلکہ یوں سمجھو کہ ایک آئینہ ہے جو بہار کے ہاتھ میں ہے۔

مطربہ۔ اصل میں کاشغر کی رہنے والی تھی۔ نہایت کامل الفن تھی۔ طغان شاہ کے زمانہ میں زندہ بلکہ اسی بادشاہ ذیجاہ کے حرم میں تھی۔ جب طغان شاہ کا انتقال ہوا۔ تو مطربہ کو بڑا صدمہ ہوا اور اسی غم میں ایک مرثیہ لکھا۔ اُسی مرثیہ کے یہ شعر ہیں بطرق رُباعی

در ماتمت اے شاہ سیہ شد روزم بے روئے تو دیدگان خود بردوزم

تیغ تو کجاست اے دریغا تا من خوں ریختن از دیدہ باو آموزم

ترجمہ۔ تیرے ماتم میں اے بادشاہ میں سیہ روز ہوگئی۔ تیرے دیدار کے بغیر میں اپنی آنکھوں کو سی لوں (۲) تیری تلوار کہاں ہے تاکہ میں اُسکو خون رونا سکھاؤں۔

مہری ہرات کی رہنے والی تھی شاہ رُخ مرزا گورگاں کے زمانہ میں

بقید حیات تھی گوہر شاہ بیگم کی مصاحب تھی۔ حکیم عبدالعزیز کی بیوی تھی۔ جو میرزائے مذکور کے ایک خاص طبیب تھے۔ مہری اور حکیم صاحب موصوف میں اکثر چوٹیں چلا کرتی تھیں۔ تذکرۂ آتشکدۂ آذر اور تذکرہ مرأۃ الخیال میں یہ قصہ لکھا ہے کہ ایک روز مہری قصر جہاں نما پر نور جہاں بیگم کے پاس بیٹھی تھی اتفاقاً مہری کے شوہر خواجہ حکیم آتے دکھائی دئے۔ بیگم کو کچھ ترنگ سوجھی انھوں نے مہری سے کہا کہ حکیم صاحب کو ذرا جلد بلاؤ۔ چنانچہ خواجہ حکیم سے کہا گیا۔ انھوں نے جلدی چلنا چاہا۔ مگر بڑھاپے کے ضعف نے جلد جلد قدم نہ اٹھانے دیا۔ اور کچھ عجیب و غریب حرکات دکھائی دیں۔ بیگم کو ہنسی آئی اور مہری سے کہا کہ خواجہ کی انھیں حرکتوں کو نظم کر کے ہمکو سناؤ۔ مہری نے یہ فی البدیہہ دو شعر کہے ۔

مرا با تو سر یاری نہ ماندہ	دل مہر و وفا داری نماندہ
ترا از ضعف پیری قوت و زور	چنانکہ پائے برداری نماندہ

ترجمہ۔ مجھے اب تیرے ساتھ دوستی کا خیال نہیں رہا۔ محبت اور وفاداری کو جی نہیں چاہتا (۲) تجھ میں ضعف پیری کی وجہ سے اتنا قوت اور زور بھی باقی نہیں کہ ٹانگ اٹھا سکے۔ یہ سنکر بیگم نہایت خوش ہوئی۔ اور

اسکو صلہ دیا۔ مہری کے کلام کا نمونہ یہ ہے۔

بیخ ہر خارے کہ آن از خاک من حاصل شود ۔۔۔ زاہد ار مسواک سازد مست و لاعقل شود

کردم بر اوج برج مہ خویشتن طلوع ۔۔۔ ہاں اے حکیم طالع مسعود من نگر

حل ہر نکتہ کہ از پیر خرد مشکل بود ۔۔۔ آزمودیم بیک جرعۂ مے حاصل بود

گفتم از مدرسہ پرسم سبب حرمت مے ۔۔۔ در ہر کس کہ زدم آں خر لاعقل بود

خواستم سوز دل خویش بگویم با شمع ۔۔۔ داشت خود او بزباں آنچہ مراد دل بود

در چمن صبحدم از گریہ و زاری دلم ۔۔۔ لالہ سوختہ خوں در دل و پا در گل بود

آنچہ از بابل و ہاروت روایت کردند ۔۔۔ سحر چشم تو بدیدم ہمہ را شامل بود

دولتے بود تماشائے رخت مہری را ۔۔۔ حیف صد حیف کہ ایں دولت مستعجل بود

ترجمہ۔ جس کانٹے دار درخت کی جڑ کہ میری خاک سے حاصل ہوگی۔ زاہد اگر مسواک کرے تو مست اور بیعقل ہو جائے (۲) میں نے اپنے چاند کے برج اوج پر طلوع کیا۔ اے حکیم ذرا میرے طالع مسعود کو دیکھ (۳) جس نکتہ کا حل کہ پیر خرد سے مشکل تھا۔ میں نے آزمایا تو ایک گھونٹ شراب میں وہ مقصد حاصل ہوگیا (۴) میں نے کہا کہ مدرسہ میں حرمت مے کا سبب پوچھوں گا جس کسی کے دروازہ پر گیا وہی بیوقوف نکلا (۵) میں نے چاہا کہ اپنے دل کا سوز

شمع سے کہوں اُسکی زبان پر خود وہی بات تھی جو میرے دل میں تھی (۶) چمن میں صبحدم میرے دل کی گریہ وزاری سے لالہ سوختہ خون تھا اور کیچڑ میں پاؤں پھنسا ہوا تھا (۷) جو کچھ کہ بابل اور ہاروت کا قصّہ مشہور کیا ہے۔ تیری آنکھوں کا جادو سب میں شامل تھا (۸) تیر انظارہ مہری کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ تھا افسوس صد افسوس کہ یہ دولت جلد واپس لے لیگئی۔

تذکرہ آتش کدۂ آذر میں لکھا ہے کہ مہری کو بیگم کے بھانجے سے تعلق خاطر تھا اور یہ واقعہ اتنا مشہور ہوگیا تھا کہ شدہ شدہ اس بات کی شوہر کو خبر ہوگئی چنانچہ یہ معاملہ بادشاہ تک پہونچا اور حکیم صاحب کے اشارہ اور بادشاہ کے حکم سے مہری کو قید کر دیا گیا۔ قید کی بے پایاں مشقت پڑی تو مہری نے ایک رباعی کہہ کر بیگم کو بھیجی۔ مگر یہ واقعہ غالبًا صاحب تذکرہ کی غلطی سے درج ہوا ہے بلکہ دراصل اُس مہری کے ساتھ متعلق ہے جسکا ذکر لکھا جا چکا۔

مہستی۔ گنجہ کی رہنے والی ایک عورت کا نام تھا۔ بعض اہل تذکرہ کا خیال ہے کہ نیشاپور کی اور بعض کہتے ہیں کہ بدخشاں کی رہنے والی تھی۔ سلطان سنجر کے زمانہ میں نہایت عزت و جاہ کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھی شعر کہتی تھی۔ اور طبیعت اس فن کے نہایت مناسب پائی تھی۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ سلطان کی محفل عیش گرم تھی۔ شراب و کباب ساقی مغنی و سرود کا دور رہتا تھا۔ مہستی کو کچھ ضرورت ہوئی باہر جانا پڑا۔ جاڑے کا موسم تھا۔ اور سردی اپنے شباب کی بہار دکھا رہی تھی۔ مہستی باہر گئی تو دیکھا کہ برف چاروں طرف جمی ہوئی تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ غریب مہستی کانپتی ہوئی واپس آئی۔ بادشاہ نے واقعہ پوچھا۔ اس نے فی البدیہہ رباعی کہہ کر سنائی۔

شاہا فلکت اسپ سعادت زیں کرد　　　وز جملہ خسرواں ترا تحسیں کرد

تا در حرکت سمند زریں نعلت　　　بر گل نہ نہد پائے زمیں سیمیں کرد

ترجمہ۔ اے بادشاہ آسمان نے تیرے لئے سعادت کا گھوڑا کس کر تیار کیا ہے۔ اور تمام بادشاہوں کے مقابلہ پر تیری تحسین کی ہے (۲) تیرا گھوڑا جسکے زریں نعل جڑے ہوئے ہیں تاکہ مٹی پر پاؤں نہ رکھے اس لئے آسمان نے زمین کو سیمیں بنا دیا ہے۔

مہستی نہایت زود گو اور پر گو تھی۔ بلکہ اسکا دیوان شعر بھی مرتب ہو چکا تھا۔ بعض تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ جس زمانہ میں عبد اللہ خاں اوزبک نے تسخیر ہرات کیلئے حملہ کیا ہے شاید اسوقت اسکا دیوان برباد ہو گیا۔

قصاب چنانکه عادت اوست مرا   بفگند و بکشت و گفت این خوست مرا
سر باز بہ عذر می نہد بر پایم   دم میدہدم تا بہ کند پوست مرا

افسوس کہ اطراف گلت خار گرفت   زاغ سیہ دو لالہ را بہ منقار گرفت
سیماب زنخداں تو آورد مداد   شنجرف لب لعل تو زنگار گرفت

شب ہا کہ بناز با تو خفتم ہمہ رفت   دُر ہا کہ بنوک غمزہ سفتم ہمہ رفت
آرام دل و مونس جانم بودی   رفتی و ہر آنچہ با تو گفتم ہمہ رفت

قصہ چہ کنم کہ اشتیاق تو چہ کرد   با من دل پر زرق و نفاق تو چہ کرد
چوں زلف دراز تو شبے می باید   تا با تو بہ گویم کہ فراق تو چہ کرد

ہر شب ز غمت تازہ عذابے بینم   در دیدہ بجائے خواب آبے بینم
وانگہ کہ چو نرگس تو خوابم ببرد   آشفتہ تر از زلف تو خوابے بینم

من عہد تو سخت سُست میدانستم   بشکستن آں درست میدانستم
ہر دشمنی اے دوست کہ با من کردی   آخر کردی نخست میدانستم

در راہ غم تو خستہ نیست چو من   در جور تو دل شکستہ نیست چو من
بر خاستگاں جور تو بسیار اند   لیکن بہ وفا نشستہ نیست چو من

ان لطیف رُباعیوں کے بعد غزل کا نمونہ بھی دیکھئے - اور لطف اُٹھائیے

جام را بر کف دست تو نشست دگر است
ید بیضا دگر و دست تو دست دگر است

از من طمع وصال داری
الحق ہوس محال داری

وصلم نتوان بخواب دیدن
این چیست که در خیال داری

جائیکہ صبا گذر ندارد
آیا تو کجا مجال داری

ترجمہ رباعی (۱) قصاب نے اپنی عادت کے موافق۔ مجھے گرایا اور مار ڈالا اور کہا کہ میری یہی عادت ہے۔ اب پھر عذر کیلئے میرے قدموں پر سر رکھ رہا ہے۔ اور مجھے دم دیتا ہے کہ میری کھال کھینچ لے (رباعی نمبر۲) افسوس کہ تیرے پھول کے اطراف پر کانٹوں نے قبضہ کرلیا۔ گویا کہ لالہ کا پھول پیچ پیچ میں لئے ہوئے ہے تیری ٹھوڑی کے پارہ پر سیاہی جم گئی۔ تیرے ہونٹوں کے شنجرف پر زنگ لگ گیا۔ (رباعی نمبر۳) راتوں کو جو میں تیرے پاس ناز کے ساتھ سویا تھا سب برباد ہوگیا۔ وہ موتی کہ میں نے نوک غمزہ کے ساتھ پروئے تھے سب برباد ہوگئے۔ تو میرا آرام دل تھا اور میری جان کا رفیق تھا۔ تو چلا گیا تو تیرے ساتھ جو کچھ میں نے کہا سب برباد ہوگیا (رباعی نمبر۴) اب کیا قصہ بیان کروں کہ تیرے اشتیاق نے کیا کیا۔ تیرے ہجر کے بھرے ہوئے دل نے کیا کیا۔ تیری زلف کی طرح ایک دراز رات چاہیئے تب میں تجھ سے بیان کروں کہ تیری جدائی نے

مجھ سے کیا سلوک کیا (رباعی نمبر۵) تیرے غم سے ہر رات کو ایک تازہ عذاب اُٹھانا پڑتا ہے آنکھوں میں بجائے نیند کے پانی رہتا ہے۔ اور پھر جب تیری آنکھوں کی طرح میں سو جاتا ہوں تو تیری زلفوں سے زیادہ پریشان خواب دیکھتا ہوں (رباعی نمبر۶) میں تیرے عہد کو بہت کمزور سمجھتا تھا۔ اور اسکے ٹوٹنے کو یقینی جانتا تھا۔ تو نے اے دوست میرے ساتھ جو دشمنی کی۔ بہت دیر میں کی میں نے پہلے ہی سمجھ لیا تھا (رباعی نمبر۱) تیرے غم کے جال میں میری طرح کوئی خستہ نہیں ہے۔ اور تیرے جور سے مجھسا کوئی دل شکستہ نہیں ہے۔ تیرے ظلم سے جو لوگ اُٹھ گئے وہ بہت ہیں لیکن وفا کے لئے کوئی میری طرح بیٹھا ہوا نہیں ہے (شعر ۱) پیالہ تیرے ہاتھ پر رکھا ہوا اور ہی طرح کا معلوم ہوتا ہے۔ ید بیضا اور ہے اور تیرا ہاتھ اور ہے (شعر ۲) تو مجھ سے وصال کی طمع رکھتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ ایک بیکار کی ہوس ہے (۳) میرا وصل خواب میں بھی ممکن نہیں ہے یہ تیرے کیا خیال ہیں۔ شعر (۴) جہاں ہوا کا بھی گزر نہو میری کیا مجال ہے۔

غزل کے آخری شعر واقعات پر مبنی معلوم ہوتے ہیں۔ مستی ظرافت کے شعر بھی کہتی تھی۔ مگر میں یہاں انکا لکھنا پسند نہیں کرتا۔

مہری ہردیہ۔ ایک نہایت حسین خوبصورت اور بیباک عورت تھی۔

ایک بادشاہ ایران کی بیگم بنی ہوئی تھی مگر چونکہ نہایت ہی آزاد مزاج عیاک
تھی۔ اسی واسطے ایک جوان پر عاشق ہو کر فعل شنیع کی مرتکب ہوئی مگر بدقسمتی
سے سر منڈاتے ہی اولے پڑے گرفتار ہو گئی۔ اور عتاب شاہی کی مستوجب
قرار پائی قید میں ڈالدی گئی۔ مگر شوخی نے گدگدایا۔ یہ رباعی موزوں کر کے
بادشاہ کی خدمت میں بھیجی۔ چونکہ اس رباعی کا لطف اسی میں ہے اس لئے
میں ترجمہ کرنا نہیں چاہتا۔

شہ کندہ نہاد سرو سمیں تن را — زیں واقعہ شیول است مرد و زن را
افسوس کہ برکندہ نباید سودن — پائیکہ دو شاخہ بود صد گردن را

چونکہ مولانا عبدالرحمن جامی کی معاصر تھی۔ لہذا ایک مرتبہ اُنسے ناراض ہوئی
اور یہ ہجو کہہ ڈالی۔

اے شاہ مبارزان و شیر یزداں — آزردہ شد از دست دو عبدالرحمن
آں یک پسر ملجم و دیگر جامی — آں زخم سناں زدست و ایں تیغ زباں

چونکہ شوہر بڈھا تھا اور خود جوان جہاں تھی اسوجہ سے ہمیشہ شوہر سے آزردہ
رہتی تھی چنانچہ ان رباعیات سے پتہ چلتا ہے۔ ملاحظہ کیجئے

ہرگز کامم زخفت و خوابم ندہی — شب باتو سخن کنم جوابم نہ دہی

من تشنہ لب و تو خضر وقتم گوئی — از بہر خدا چہ شد کہ آبم نہ دہی

در خانہ تو آنچہ مرا شاید نیست — بندے ز دل رمیدہ بکشاید نیست

گوئی ہمہ چیز دارم از مال و منال — آرے ہمہ ہست و آنچہ می باید نیست

شوے زن نوجواں اگر پیر بود — چوں پیر بود ہمیشہ دلگیر بود

آرے مثل است اینکہ زناں میگویند — در پہلوے زن تیر بہ از پیر بود

گفتم کہ مرا ز نظر انداختۂ — گفتا کہ بہر دگراں ساختۂ

گفتم کہ ترا شناختم بے ہنری — گفتا کہ مرا ہنوز نہ شناختۂ

ترجمہ۔ ہرگز میرا مطلب سونے سے تو پورا نہیں کرتا۔ رات کو میں تجھ سے باتیں کرتی ہوں تو جواب بھی نہیں دیتا (۲) میں پیاسی ہوں اور تو میرے وقت کا خضر ہے خدا کے لئے مجھ کو بتا تو سہی کیا ہو گیا کہ تو مجھ کو پانی نہیں دیتا (۳) ہائے گھر میں جو کچھ مجھے چاہیئے نہیں ہے ایسی چیز جو دل سے غم دور کرے نہیں ہے (۴) تو کہتا ہے مال و متاع کی میں سب چیزیں رکھتا ہوں۔ سچ ہے سب کچھ ہے بس جو کچھ چاہیئے وہی نہیں ہے (۵) نوجوان عورت کا شوہر اگر بڈھا ہو۔ وہ عورت بڑھیا کی طرح ہمیشہ رنجیدہ رہے گی (۶) سچ ہے عورتیں یہ کہتی ہیں کہ عورت کے پہلو میں بڈھے سے تیر کا ہونا اچھا (۷) میں نے کہا کہ تو نے مجھے نظر سے

گرا دیا ہے۔ تو کہنے لگا کہ تو نے دوسروں سے محبت کر لی ہے۔ میں نے کہا کہ میں نے تجھے پہچان لیا ہے تو بیوفا ہے۔ تو بولا کہ ابھی تو نے مجھے نہیں پہچانا ہے۔

طفل اشکم ہمیشہ در نظر است | چہ توانکر د پارۂ جگر است
میرود یار و مدعی از پے | خوب و زشت زمانہ درگزر است

آں خال عنبریں کہ نگارم بر و زدہ | دل می بردازانکہ بوجہ نکو زدہ
قصاب وار مردم چشمم بچابکی | مژگان قنارہ کرد و دلہا بر و زدہ
عشاق سر بسر ہمہ دیوانہ گشتہ اند | تا او گرہ بہ سلسلۂ مشکبو زدہ
آں قدر ہا نہ شکست ایں دل غم ہیشہ ما | کہ دگر شیشۂ تواں ساختن از شیشۂ ما
ہمچو آئینہ کہ گرد و زچمن عکس پذیر | نقش اندیشہ مہری است در اندیشۂ ما

ترجمہ طفل اشک ہمیشہ میری نظر میں رہتا ہے۔ کیا کیا جائے اپنے جگر کا ٹکڑا ہے (۲) یار جا رہا ہے اور دشمن اسکے پیچھے پیچھے ہے۔ زمانہ کا اچھا بُرا سب گزر رہا ہے۔ (۳) وہ خال عنبریں کہ میرے معشوق نے منہ پر لگایا ہے۔ چونکہ بہت اچھے طریقہ سے لگایا ہے اس لئے بہت دلکش ہے (۴) قصاب کی طرح اسکی آنکھوں کی پتلیوں نے پلکوں کو چالاکی سے قنارہ بنا کر دل کو اُسکے اوپر

لگایا ہے (۵) عاشق تمام دیوانے ہو گئے ہیں۔ جب سے کہ اُس نے زلف عنبریں میں گرہ دی ہے۔ ہمارا غمگیں دل اتنا نہیں ٹوٹا ہے کہ دوبارہ اس شیشہ سے شیشہ بنا سکیں (۶) آئینہ کی طرح کہ چمن سے عکس پذیر ہو جائے مہری کا نقش اندیشہ ہمارے اندیشہ میں ہے۔

ردیف نون

نسائی۔ سادات محروسہ نسا میں سے تھی جو ملک خراسان میں ہے ہر شعر نہایت عمدہ کہتی تھی نمونہ کلام یہ ہے۔

دردم زیادہ میشود و کم نمی شود — گفتم بہ صبر چارہ کنم ہم نمی شود

شادم اگر دلم ز تو بے غم نمی شود — بارے غم تو از دل من کم نمی شود

مرہم میار بہر دوائے من اے طبیب — کیں درد عاشقی است بمرہم نمی شود

داغے نہاد بر دلم آں بیوفا کہ عمر — بگزشت و درد مندی آں کم نمی شود

سازد بداغ ہجر نسائی خاکسار — چوں خاطرش بوصل تو خرم نمی شود

عاشقی با قامت ابرو کمندے کردہ ایم — با ہمہ پستی تمنائے بلندی کردہ ایم

بہ عالم ہر کرا بینی بدل دردو غمے دارد — ز دست غم منال اے دل کہ غم ہم عالمے دارد

ترجمہ میرا درد زیادہ ہوتا ہے اور کم نہیں ہوتا۔ میں نے کہا کہ صبر سے کچھ علاج کروں وہ بھی نہیں ہوتا (۲) میں خوش ہوں اگر میرے دل سے تیرا غم نہیں جاتا۔ یہ کیا کم ہے کہ تیرا غم میرے دل میں ہے (۳) میری دوائی کے لئے اسے طبیب مرہم مت لا۔ کہ یہ عاشقی کا درد ہے جو مرہم سے کم نہیں ہوتا (۴) میرے دل پر اس بیوفا نے وہ داغ لگایا ہے کہ عمر گزر گئی اور اسکا درد نہیں جاتا (۵) نسائی خاکسار دو بہو سا اختلاط کر رہی ہے کیا کرے اسکا دل تیرے وصل سے خوش نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ اسے میسر نہیں (۶) ہمنے ایک ابرو کمند سے عشق کیا ہے۔ باوجود اس پستی کے بلندی کی تمنا کی ہے۔ (۷) دنیا میں تو جس کو دیکھے کوئی نہ کوئی غم اسکے ساتھ لگا ہوا ہے۔ غم کے ہاتھ سے مت رو کہ غم کا بھی ایک عالم ہے۔

نظیر شیراز کی رہنے والی اور مرزا امان اللہ جو وہاں کے ایک نامور رئیس تھے۔ کی بیوی تھی شعر کہتی تھی۔ مگر اب ایک دو شعر اس سے یادگار ہیں

مگر آں سرو چماں سوے چمن می آید   کز چمن رائحہ مشک ختن می آید

شوخ عاشق کش من اینہمہ بیباک مباش   کہ ہنوز از لب تو بوئے لبن می آید

ترجمہ شاید وہ سرو چماں چمن کی طرف آتا ہے کہ باغ سے مشک ختن

کی خوشبو آتی ہے (۲) اے میرے شوخ عاشق کش اسقدر بیباک نہو۔ کہ ابھی تیرے منھ سے دودھ کی بو آتی ہے۔

نور۔ جہانگیر کی عزیز ترین بیگم نور جہاں کا تخلص ہے۔ بعض اہل تذکرہ نے بیگم کا تخلص مخفی لکھا ہے۔ مگر میں چونکہ اسی کو زیادہ ترقرین قیاس جانتا ہوں۔ اس واسطے اسی تخلص سے لکھتا ہوں۔

نور جہاں کے دادا محمد شریف طہران سے آئے وہیں پیدا ہوئے تھے، اور وہیں کے شاہی خاندان کے متوسلین متعلقین میں سے تھے آخریں شاہ طہماسپ صفوی کے زمانہ میں ہرو کی گورنری پر مامور ہوئے۔ دولت اور مال کے رشک وحسد نے پورے دربار کو انکا دشمن جان بنا دیا تھا اور مخالفین سیکڑوں تدبیروں میں مصروف تھے نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی آنکھ بند ہوتے ہی تمام درباری انکے بیٹے مرزا غیاث پر ٹوٹ پڑے اور اس روپیہ کا مطالبہ کیا جو محمد شریف کے ذمہ غصب کرنا ثابت کیا گیا۔ مرزا غیاث حریفوں کے اس دلشکن حملہ کی تاب نہ لاسکے اور معہ اپنے متعلقین کے ہندوستان کی طرف بھاگے۔ حاملہ بیوی اور اپنے دوسرے متعلقین کو ساتھ لیا یہ واقعہ ۱۵۷۶ء میں رونما ہوا۔ راستہ ہی میں جب قندھار پہونچے تو حالت مسافرت میں نور جہاں پیدا ہوئی۔ ماں باپ

سخت پریشان تھے۔ کہ یا اللہ کیا کریں مسافرت کا عالم کس مپرسی مفلسی۔ نہ کوئی یار نہ مددگار۔ انتہا یہ کہ جسدن نورجہاں پیدا ہوئی اُس روز اُسکی ماں کئی وقت کے فاقہ سے تھی لیکن پھر بھی بچی نہایت توانا اور تندرست تھی۔ چونکہ دم لینے کی مہلت نہ تھی۔ مجبورًا پھر سفر کی ٹھہری۔ مرزا غیاث کے دل پر قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کی گریہ وزاری۔ کئی کئی وقت کا فاقہ۔ سفر کا تکان۔ مُنھ پر گرد جمی ہوئی پاؤں سُوجے ہوئے۔ بیوی انتہا سے زیادہ کمزور مگر مجبورًا گھوڑے پر سوار نوزائیدہ بچی کو گود میں لئے ہوئے صعوبتوں پر صعوبتیں سہتے سہتے مرزا کا دل چور ہو گیا۔ بچّہ کو سنبھالیں یا راستہ طے کریں۔ کیا کریں غرض یہ طے ہوا کہ بچی کو کہیں جنگل میں ڈالدیں چنانچہ یہی ہوا۔ دلپر جبر کا پتھر رکھا اور بچی کو ایک جھاڑی میں ڈال آگے چل کھڑے ہوئے مگر حافظ حقیقی نگہبان تھا۔ نورجہاں رات بھر جھاڑی میں پڑی رہی نہ کسی درندے نے کوئی آزار پہونچایا۔ نہ کسی موذی جانور نے ستایا۔ دوسرے دن ایک قافلہ اُدھر سے گزر رہا تھا۔ قافلہ کے ایک سوداگر نے بچی کو دیکھا دل بھر آیا اور اُٹھا لیا۔ بچی کی پرورش کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اور آگے چل کھڑا ہوا اب اتفاق دیکھئے کہ مرزا غیاث کا مصیبت زدہ قافلہ کچھ دور جا کر تھک کر ایک جگہ

ٹھہر گیا تھا کہ اتنے میں ملک مسعود ننھی سی بچی کو گود میں لئے پہونچا۔ اور جہاں یہ لوگ ٹھہرے ہوئے تھے وہیں ٹھہر گیا۔ اب تلاش ہوئی کہ بچی کو دودھ پلانے والی کہاں سے آئے۔ چنانچہ اپنے آدمیوں کو بھیجا کہ دودھ پلانے کیلئے کسی عورت کو تلاش کریں۔ آخر کار مرزا کی بیوی دودھ پلانے کیلئے تجویز ہوئی، مگر ملک مسعود نے جب تباہی اور بربادی کا پورا قصہ سُنا تو آنسو بھر آئے پہلے بچی کو حوالہ کیا اور پھر پوری امداد کرتا رہا تا اینکہ مصیبت زدہ غیاث قافلہ کے ساتھ ساتھ خوش و ناخوش ہندوستان تک پہونچ گیا۔ اُس زمانہ میں شہنشاہ اکبر کی علم دوستی اور مردم شناسی کا جا بجا چرچا تھا فیض کے دریا جاری تھے۔ مصیبت زدہ مرزا غیاث ملک مسعود کے ساتھ ساتھ دربار تک پہونچا۔ اور داروغہ محل مقرر ہو گیا۔ اُدھر عصمت النسا بیگم حرم شاہی میں بیگموں کی تعلیم و تربیت کی خدمت پر مامور ہو گئی۔

نور جہاں کا ابتدائی نام مہر النسا تھا اُسی نام سے وہ شاہی محل میں پکاری جاتی تھی۔ جوان ہونے پر اسکی شادی عہد اکبر کے مشہور شجاع سردار علی قلی خاں الملقب بہ شیر افگن خاں سے کر دی گئی۔ مگر شیر افگن خاں چند روز میں دشمنوں کی سازش سے مارا گیا۔ اور مہر النسا بیوہ ہو گئی۔

سنہ ۱۶۱۱ء میں جہانگیر نے ایک مرتبہ مہر النساء کو مینا بازار میں دیکھا اور اُسپر عاشق ہوکر شادی کرلی شادی کے وقت اُسکی عمر ۳۴ برس کی تھی مگر وہ اب بھی ویسی ہی خوبصورت تھی جیسی سولہ برس کی عمر والی ہوسکتی ہے سنہ ۱۶۱۳ء میں سلطان سلیمہ بیگم کے انتقال پر وہ بادشاہ بیگم کے بلند مرتبہ پر فائز ہوئی اور محلات شاہی کی تمام عورتوں سے زیادہ اُسکا اعزاز ہوگیا۔

وہ نہایت دانشمند۔ علم و فضل میں کامل۔ اور اخلاق حسنہ میں مکمل انسان تھی نفاست پسندی اُسکی طبیعت کا جوہر تھی۔

اہل حاجت کی ضرورتیں پوری کرتی۔ اور ہمیشہ سخاوت اور بذل و ایثار میں مصروف رہتی تھی ایجاد و اختراع کا مادہ اسکے مزاج میں بیحد تھا چنانچہ زنانہ لباس میں اُسنے بہت تبدیلیاں کیں اور اسے انتہا سے زیادہ دلکش بنادیا۔ گلاب کا عطر اُسی نے ایجاد کیا۔ ہنر و سلیقہ کا یہ عالم تھا کہ جہانگیر نے سلطنت کی باگ گویا اسی کے ہاتھ میں دیدی تھی اور وہ نہایت خوش انتظامی کے ساتھ اہم فرائض شاہی کو انجام دیتی تھی سنہ ۱۶۲۷ء میں جب جہانگیر کا انتقال ہوا تو نور جہاں کو شاہی کاموں سے کوئی تعلق نہ رہا۔ وہ اسی غم میں گھلتی رہی۔ اگرچہ اسکے لئے بہت معقول پنشن پچیس لاکھ روپیہ سالانہ کی مقرر تھی۔ مگر غموں نے کسی طرح اُسکا

پیچھا نہ چھوڑا اور ۱۶۴۵ء مطابق ۱۰۵۵ھ میں بہتر برس کی عمر پاکر اُسنے انتقال کیا۔

تحقیق کے ساتھ یہ معلوم نہ ہوسکا کہ اُسنے شاعری کب شروع کی کس سے اصلاح لی۔ مگر یہ بات پایۂ ثبوت تک پہونچ چکی ہے کہ وہ ایک نازک خیال شاعرہ تھی۔ بذلہ سنجی اور حاضر جوابی میں فرد تھی۔ اُسکے لطائف وظرائف بہت سے مشہور و معروف ہیں مگر ہم بہ لحاظ اختصار چند لکھتے ہیں۔

ایک مرتبہ رمضان کا مہینہ ختم ہوا اور ہلال عید دکھائی دیا۔ نور جہاں اور جہانگیر بھی بالاخانہ شاہی پر اس دلخوش کن منظر کا تماشہ دیکھ رہے تھے چاند دکھائی دیا۔ مے پرست بادشاہ جہانگیر نے خوش ہوکر بیگم کیطرف متوجہ ہوکر یہ مصرع پڑھا ؎ ہلال عید براوج فلک ہویدا شد۔ حاضر جواب بیگم نے فوراً یہ مصرع فی البدیہہ پڑھا ؎ کلید میکدہ گم گشتہ بود پیدا شد

ایک مرتبہ جہانگیر کو ملتفت صحبت پاکر اور خود کو اس قابل نہ دیکھ کر یہ شعر سنایا

بہ قتل من اگر شاہا دلت خوشنود میگردد　　بجان منت مگر تیغ تو خوں آلود میگردد

جب جہانگیر نے امور سلطنت کا اُسکو مختار کل بنا دیا تو سکہ پر یہ شعر مسکوک کرایا

بحکم شاہ جہانگیر یافت صد زیور　　بنام نور جہاں بادشاہ بیگم زر

ایک روز بیگم حمام کر رہی تھی۔ جہانگیر وہاں جا پہونچے اور چھیڑنے کے لئے یہ مصرعہ پڑھا

زیر داماں تو نہاں علیست لےنازک بدن

بیگم نے جواب دیا ع نقش سم آہوے چین است بر برگ سمن

ایک مرتبہ بادشاہ کے تکمہ جواہر کی تعریف میں یہ شعر کہا۔

ترا کہ تکمۂ لعل است بر لباس حریر ... شدہ است قطرہ خون منت گریباں گیر

اگرچہ اسکا لطیف کلام بہت کچھ ہوگا۔ مگر اب جستہ جستہ تذکروں میں چند شعر ملتے ہیں وہی درج کئے جاتے ہیں۔

شرارم شعلہ ام داغم کبابم جلوۂ نورم ... طبیبد نہائے بقدم اضطرابم نبض رنجورم

عشقت حباں گداخت تنم راکہ آب شد ... گردی کہ ماند سر چشم حباب شد

کشاد غنچہ اگر از نسیم گلزار است ... کلید قفل دل ما تبسم یار است

نہ گل شناسد نے رنگ و بو نہ عارض و زلف ... دل کسے کہ بحسن ادا گرفتار است

ز اہرا ہول قیامت فگن در دل ما ... ہول ہجراں گزراندیم و قیامت معلوم

نام تو بر دم و زدم آتش بجان خویش ... در آتشم چو شمع ز دست زبان خویش

سالک وارید بر فرق سرش دانہ چہ چیست ... تشنگان شوق را جوئے است از آب حیات

تہِ زلفت خالش بلائے نہان است — مترس از بلاہا کہ شب درمیان است

بچشم ما برائے نظر بازی تو شد — آئینہ را جلائے وطن می کنیم ما

ہنوز آں طفل خندیدن نہ داند — نگہ دزدیدن و دیدن نہ داند

ایں خانہ برانداز کہ در خانہ زین است — معمار تمنائے من خاک نشین است

نیست فوارہ کہ بینی بسرِ آبِ رواں — آب از گرمیٔ ایں فصل برآورد زباں

نمی آید بغیر از گریہ دیگر کار از چشم — بلے از مردم بدست و پا دیگر چہ می آید

ترجمہ ۔ میں شرار ہوں شعلہ ہوں ۔ داغ ہوں ۔ کباب ہوں ۔ جلوہ نور ہوں ۔ بجلی کا تڑپنا ہوں اضطراب ہوں بیمار کی نبض ہوں (۲) تیرے عشق نے ایسا پگھلایا کہ میرا جسم پانی ہوگیا ۔ جو گرد کہ باقی رہی چشم حباب کا سرمہ بنگئی (۳) اگر غنچہ نسیم گلزار سے کھلتا ہے ۔ تو میرے دل کی کنجی یار کا تبسم ہے (۴) نہ گل کو پہچانتا ہے نہ رنگ و بو کو نہ عارض اور زلف کو جس کسی کا دل کہ اسکے حسن میں گرفتار ہے (۵) لے زاہد ہمارے دل میں قیامت کا خوف مت ڈال ہم نے جدائی کی دہشت میں اپنا گزارہ کرلیا ہے قیامت تو اپنی جگہ ہے (۶) میں نے تیرا نام لیا اور اپنی جان میں آگ لگائی ۔ میں اپنے ہاتھ اور زبان سے آگ میں پڑا ہوں (۷) اُسکے سر پر مروارید کی لڑی کو جانتا ہے کہ کیا چیز ہے ۔ شوق کے

پیاسوں کو ایک آب حیات کی ندی ہے۔ (۸) اُسکی زلف کے نیچے اُس کا خال ایک بلائے پنہاں ہے۔ بلاؤں سے مت ڈر کہ رات درمیان ہے (۹) اُسنے تیری نظر بازی میں ہمارا مقابلہ کیا ہے۔ اِس لیئے ہم اُسکو جلا وطن کرتے ہیں (۱۰) ابھی وہ بچہ ہے ہنسنا نہیں جانتا۔ نگاہ چُرانا اور دیکھنا اُسکو نہیں آتا (۱۱) یہ ظالم جو گھوڑے سوار زین میں بیٹھا ہوا نظر آتا ہے۔ ہماری تمام تمناؤں کا باقی ہے (۱۲) یہ جو پانی کے اوپر تو دیکھتا ہے یہ فوارہ نہیں ہے۔ پانی نے اس فصل کی گرمی کی وجہ سے زبان نکالدی ہے (۱۳) میری آنکھوں سے رونے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ سچ تو ہے بیدرست و پا آدمی سے اور کیا ہو سکتا ہے

نور جہاں کی قبر لاہور میں ہے جسکے اوپر کتبہ میں یہ شعر لکھا ہوا ہے۔

بر مزار ما غریباں نے چراغے نے گلے ۔۔۔ نے پر پروانہ سوزد نے صدائے بلبلے

نہاآئی۔ اصفہان کی رہنے والی تھی سلطان حسین مرزا کی بیگم کی خدمت میں آتو کی خدمت انجام دیتی تھی۔ نہایت خوشگو تھی۔ اب ایک شعر یادگار رہے

از ہر دو طرف در طلبم زلف نگار است ۔۔۔ در مذہب ما سبحۂ و زنار نباشد

ترجمہ۔ دونوں طرف سے میری طلب میں معشوق کی زلف ہو۔ ہمارے مذہب میں تسبیح اور زنار کیساں ہے۔

نہانی۔ اکبرآباد کی رہنے والی تھی شہنشاہ جلال الدین کے عہد میں زندہ تھی اور اسکا بیٹا کشمیر میں میر بحر کی خدمت انجام دیتا تھا۔ نمونہ کلام

روز غم شب دردِ بے آرام پیدا کردہ ام	دردمندی ہا درین ایام پیدا کردہ ام

ترجمہ۔ دن کو غم اور رات کو درد بے آرام میں نے پیدا کر لیا ہے اس زمانہ میں میں نہایت دردمند ہوں۔

نہانی۔ قائن کی رہنے والی ایک شوخ طبع خوش خیال شاعرہ کا تخلص ہے

ہمچو من بر رُخ خوباں نظر پاک انداز	ہر کجا دیدۂ آلودہ بود خاک انداز

ترجمہ۔ میری طرح معشوقوں کے رخسار پر پاک نظر ڈال۔ جہاں کہیں آلودۂ عصیاں نگاہ ہو اس پر خاک ڈال۔

نہانی۔ کرماں کی رہنے والی خواجہ افضل کرمانی کی بہن تھی۔ جو کہ سلطان حسین مرزا کے دربار میں دیوان بیگی کی خدمت انجام دیتا تھا۔ نہایت اچھے شعر کہتی تھی۔

اگرچہ مہر تقید یر لایزال بر آید	بماہ من نرسد گر ہزار سال بر آید

ولے بر شاعران نادیدہ	کہ ندارند نور در دیدہ

قد خوباں بسرو میخوانند	رُخ ایشاں بماہ تابیدہ

ماہ قرصی است ناتمام عیار   سرو چوبے است ناتراشیدہ

ترجمہ۔ اگرچہ سورج خدا کے حکم سے طلوع کرتا ہے۔ مگر میرے چاند کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اگرچہ ہزار سال نکلے (۲) شاعران نادیدہ پر افسوس ہو انکے دیدے پھوٹ گئے ہیں معشوقوں کے قد کو سرو کہتے ہیں اور اُنکے رخسار کو چاند یہ نہیں جانتے کہ چاند ایک قرص ہے کھوٹا۔ اور سرو ایک ناتراشیدہ لکڑی ہے۔

نہانی۔ شیراز کی رہنے والی تھی نہایت عمدہ شعر کہتی تھی مفصل حال معلوم نہ ہوسکا۔

قدم بنجانہ چشم بنہ کہ جا اینجاست   رواق منظر خوباں خوش لقا اینجاست

شدم دیوانہ تا در خواب دیدم آں پریرا   چہ باشد حال گر بیند بہ بیداری کسے اورا

ترجمہ۔ میری آنکھوں میں قدم رکھ کہ جگہ اسی جگہ ہے۔ خوبان خوش لقا کا رواق منظر یہیں ہے (۲) میں دیوانہ ہوگیا جب سے کہ اس پریرو کو خواب میں دیکھا ہے کیا حال ہو اگر اسکو کوئی جاگتے میں دیکھ لے۔

نہانی۔ حرم بیگم والدہ شاہ سلیمان کی مصاحب اور ہمنشیں تھی اُسکا باپ شاہ سلیمان کے زمانہ کے امرائے نامی میں تھا چونکہ نہانی نہایت حسین و خوبرو تھی اور اُسکے حُسن و جمال کا شہرہ جابجا ہوچکا تھا اسوجہ سے جابجا سے اُسکی

خواستگاری کے لئے رقعے آتے تھے۔ اور اونچے اونچے گھرانوں میں اُسکی منگنی کی تمنا کیجاتی تھی مگر نہانی نے عجب انداز اختیار کیا تھا۔ ایک رباعی کہی تھی۔ اور مشتہر کرکے یہ اعلان کر دیا تھا کہ جوکوئی اسکا جواب لکھے گا اسی سے شادی کرونگی مگر کوئی اُسکا جواب نہ لکھ سکا رباعی یہ ہے۔

از مرد برہنہ زرِ سے زر می طلبم　　از خانۂ عنکبوت پر می طلبم
من از دہن مار شکر می طلبم　　وز پشۂ مادہ شیر نر می طلبم

ترجمہ۔ مرد برہنہ سے میں زر طلب کرتی ہوں۔ اور مکڑی کے جالے سے پر مانگتی ہوں (۲) سانپ کے منہ سے شکر مانگتی ہوں۔ اور پشہ مادہ سے شیر نر طلب کرتی ہوں۔

سُنا ہے کہ سعد اللہ خاں وزیر شاہجہاں بادشاہ نے اُسکا جواب دیا بعد کو نہیں معلوم کہ کیا نتیجہ ہوا سعد اللہ خاں کی رُباعی یہ ہے۔

علم است برہنہ ردکہ تحصیل زر است　　تن خانۂ عنکبوت و دل بال و پر است
زہر است جفای علم و معنی شکر است　　ہر پشہ از و چشید آں شیر نر است

اسی بنا بر مصنف اختر تاباں نے اسکو دہلی کی رہنے والی بتایا ہے غالباً یہ صحیح نہیں ہے۔ مصنف مراۃ الخیال نے اسکے مولد و مسکن کے متعلق کوئی ذکر

نہیں کیا۔ اسکی شاعری کا انداز بیان یہ ہے۔

در مذہب ما توبہ ز میخانہ حرام است — زہد و ورع و سبحہ صد دانہ حرام است

با بادہ فروشان غم ایام حرام است — با دُردکشاں دولت بہرام حرام است

فرض است بعاشق کہ بنوشد مے تجرید — با زاہد خود بیں مے گلفام حرام است

رندان نظر بجلوۂ دنیا نمی کنند — جز آرزوے ساغر و صہبا نمی کنند

ترجمہ۔ ہمارے مذہب میں میخانہ سے توبہ کرنا حرام ہے۔ زہد اور پرہیزگاری اور سو دانوں کی تسبیح حرام ہے (۲) شراب بیچنے والوں کے لئے زمانہ کا غم حرام ہے تلچھٹ پینے والوں کے لئے دولت بہرام کی ضرورت نہیں ہے (۳) عاشق کے لئے فرض ہے کہ تجرید کی شراب پیئے۔ زاہد خود بیں کے لئے مے گلفام حرام ہے (۴) رند جلوۂ دنیا پر نظر نہیں ڈالتے سوائے شراب و ساغر کی آرزو کے اُن کو اور کوئی آرزو نہیں ہوتی۔

ردیف واؤ

وزیر تخلص تھا اور وزیر النساء بیگم نام تھا دہلی کی رہنے والی تھی محمد اکبر خاں متخلص بہ خاور سیستانی کی اہلیہ تھی۔ شوہر کے فیض صحبت نے شاعر بنا دیا تھا

مرزا غالب سے اصلاح لیتی تھی۔ ایک شعر اُسکا ملتا ہے۔

دلم از کوچۂ آں زلفِ دوتا باز آمد　　رفتہ بود آنچہ ز ما باز بما باز آمد

ترجمہ۔ میرا دل کوچۂ زلف دوتا سے واپس آگیا۔ جو چیز ہمارے پاس سے گئی تھی پھر ہمکو واپس ملگئی۔

ردیف ہائے ہوز

ہما۔ افراسیاب بیگخاں ترک کی لڑکی تھی۔ ایرانی النسل تھی۔ نہایت حسین مہ جبین تھی چنگ خوب بجاتی تھی۔ ایک شعر اُس سے یادگار ہے ؎

ز خونم چہرہ قاتل پُر افشاں وقتِ ذبحم شد　　رخش یک سادہ قرآں بود از خونم مترجم شد

ترجمہ۔ میرے خون سے ذبح کے وقت میرے قاتل کا چہرہ پُر افشاں ہوگیا اسکا رخسارہ ایک سادہ قرآن تھا میرے خون سے مترجم ہوگیا۔

ہمدمی تخلص تھا۔ شریفہ بانو نام تھا۔ نہایت عفیفہ سیدانی تھی جرجان کی رہنے والی تھی۔ خوب بلکہ بہت خوب شعر کہتی تھی۔ یہ غزل اُسی کی ہے۔

من سوختۂ لالہ رخانم چہ تواں کرد　　والہ شدۂ سبز خطانم چہ تواں کرد

صد تیرِ بلا و ستم و جور رسیدہ　　زاں ناوک دلدوز بجانم چہ تواں کرد

مجنوں صفت از عشق بتاں زار و نزارم — دیوانہ لیلے صفتانم چہ تواں کرد

جز نام تو ام ہر نفسے ذکر دگر نیست — نامت شدہ چوں ورد زبانم چہ تواں کرد

اے ہمدمی از جور رقیبان ستمگار — بر عرش بریں رفت فغانم چہ تواں کرد

جامہ گلگونی در آمد ست در کاشانہ ام — خیز اے ہمدم کہ افتاد آتشے در خانہ ام

ترجمہ۔ میں لالہ رخوں کا جلایا ہوا ہوں کیا کروں۔ سبز خطوں کا عاشق ہوں کیا کروں (۲) ظلم اور جور کے سو تیر بلا مجھ پر لگے ہیں۔ اسکے تیر دلدوز سے عاجز آگیا ہوں کیا کروں (۳) مجنوں کی طرح معشوقوں کے عشق سے زار و نزار ہوں لیلے ادا معشوقوں کا دیوانہ ہوں کیا کروں (۴) تیرے نام کے سوائے ہر نفس میرے لئے کوئی دوسرا ذکر نہیں تیرا نام میرے ورد زباں ہوگیا ہے کیا کروں (۵) اے ہمدمی ظالم رقیبوں کے ظلم سے میرا شور اور فریاد عرش بریں پر گیا ہو کیا کروں (۶) ایک سرخ پوش معشوق یکایک میرے گھر میں گیا۔ اے ہمنشیں دوڑ کہ میرے گھر میں آگ لگ گئی۔

ردیف یا ر

یاسمن بو۔ مرزا عسکری دامغانی کی معاصر تھی۔ اس کا شوہر ایران سے ہندوستان چلا آیا تھا اور یہیں گلبرگہ دکن میں اسکا انتقال ہو۔ اسکے بعد یاسمین بو

کسی بادشاہ کے حرم میں ملازم ہوئے اور دہلی چلی آئی ۔ عمر بھر عزت اور حشمت سے رہی نہایت خوشنویس تھی خط ثلث خط شفیعا خط نستعلیق میں ماہر کامل تھی طبیعت نہایت شوخ پائی تھی ۔ نمونہ کلام کیلئے چند شعر لکھے جاتے ہیں ۔ جو اس کی شوخ طبعی کے شاہد عادل ہیں ۔

این قدر ریش چہ معنی دارد　　صورت میش چہ معنی دارد

یک نخود کلہ و نہ من دستار　　این کم و بیش چہ معنی دارد

کشتن و زندہ نمودن مارا　　اے ستم کیش چہ معنی دارد

در رہ مہر و جفا اے ظالم　　این پس و پیش چہ معنی دارد

ترجمہ ۔ اسقدر داڑھی سے آخر کیا معنی ۔ بکرے کی صورت بنانے سے کیا نتیجہ (۲) ایک چنے کی برابر منہ اور دو من پگڑ اس کمی اور بیشی سے کیا مراد ہے (۳) ہمکو مارنا اور جلانا اے ظالم یہ حرکتیں آخر کس لیئے ہیں (۴) محبت اور ظلم کے راستہ میں اے ظالم اس پس و پیش سے کیا مطلب ہے ۔

تمام شد

کلام وزیر النساء وزیر

مرا عہد یست با جاناں کہ تا جاں در بدن دارم — سر کویش ز در اشک خود رشک عدن دارم

خیال آں قد رعنائی ز یر پیرہن دارم — چو فانوس آتش سوزاں درون جان و تن دارم

بہار و مطرب و ساقی و یار و ابر از ہر سو — خدا حافظ من اے یاراں و پیماں شکن دارم

تو اے صبا دربستی اگر بال و پرم باری — زبانم دہ کہ پیغامے بہ مرغان چمن دارم

بصحرا روح مجنوں می طپید از انتظار من — جنونم خوش کہ من دل تنگیہا با وطن دارم

غبار راہ جاناں سرمہ چشم من آوری — صبا صد منت بایست بجان خویشتن دارم

وزیرم گرچہ در کنج تواری بودہ ام لیکن
سمند طبع جولاں گر بمیدان سخن دارم

ترجمہ۔ معشوق سے میرا ایک عہد ہے کہ جب تک جسم میں جان رہے اسکی گلی کو اپنے آنسوؤں سے رشک عدن رکھوں گا۔ (۲) اس قد رعنا کا خیال میرے دل میں چھپا ہوا ہے۔ فانوس کی طرح آگ جلانے والی میری جان و تن میں موجود ہے (۳) بہار ہے مطرب ہے ساقی ہے یار ہے اور ہر طرف گھٹا چھائی ہے۔ اے یارو رخصت میرے پاس ایک پیماں شکن دل ہے (۴) تو نے اے صبا اگر میرے بال و پر باندھ دیئے

ہیں تو زبان مجھ کو بخشدے کہ مرغان چمن کو ایک پیغام بھیجدوں (۵) جنگل میں مجنوں کی
روح میرے انتظار میں تڑپ رہی تھی میر جنون اچھا کہ میں دلچسپی وطن سے رکھتا
ہوں۔ (۶) راہ جاناں کا غبار میری آنکھوں کے لئے تو سرمہ لائی ہے۔ اے صبا
سو احسان تیری پاؤں کے میری جان پر ہیں (۷) میں وزیر ہوں اگرچہ گوشہ گمنامی
میں رہی ہوں مگر طبع چالاک کا گھوڑا میدان سخن میں کو داتی ہوں۔

تمام شد